لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:125 مئی 2023ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London

(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560

www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

قندیل شعر و سخن کی شاعرات

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

غزلیات: آفتاب شاہ، ذکی طارق بارہ بنکوی، ماہم حیا صفدر، خرم سہیل، فرزانہ صفدر، ڈاکٹر ظفر جاذب، سعید نظیر، طفیل عامر، طاہرہ رُباب، مرزا غالب، ایم اے شرجیل، سید معین شاہ، اقبال، سراج زیبائی، سید اسلم صدا آمری، پروفیسر عبدالقدیر کوکب، ارحیم علیم، اختر چیمہ، عبدالشکور شاکر، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، آفتاب احمد اختر، مدثر شعر، احمد فرہاد، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، عبدالحمید حمیدی، عجب سائل کوئٹہ، شازیہ عالم شازی، آصف جاوید، مبارک صدیقی، علی تنہا، احمد حسین مائل، ڈاکٹر مقصود جعفری، احمد نوید، آصف جاوید، ڈاکٹر الیاس عاجز، شاہ سلیم لاہور، تابس رامپوری، عبدالحمید عدم، منظور احمد بزمی، محمد عبدالباری، عاصی صحرائی، بہزاد لکھنوی،		54 تا 15
انڈیا پاکستان بے قابو شادیاں	ممتاز ملک فرانس	16
آرنلڈ اور حالی کے تصورِ معاشرہ اور ادب کا تقابلی جائزہ	آفتاب شاہ	18
گواڑخ، بلوچستان کا خودرو پھول	شیخ فرید	26
بڑھاپا	ادارہ	27
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	28
عورت کی گھریلو نا کامیاں	ممتاز ملک فرانس	29
ساحر لدھیانوی	سراج زیبائی	33
غالب کا تصورِ رقیب	محمد عدیل شیرازی	37
نثری نظموں کی پہلی خاتون شاعرہ سارہ شگفتہ	جبیں ناز اں	39
شیلی بیٹی	جبیں ناراں	41
ماہ لقابائی	تخلیص چندا	41

اعلان:: ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637, (R) 02086482560

غزلیات

نعت

آفتاب شاہ

آپؐ ہیں نبیوں کے آخر اور دیں کا رستہ آپؐ ہیں
دیں کی طاقت، دیں کی فطرت، دیں کا جذبہ آپؐ ہیں
آپؐ ہیں نبیوں کے فاخر اور دیں کا غلبہ آپ ہیں
دیں کی حرمت، دیں کی شوکت دیں کا نغمہ آپؐ ہیں
آپؐ ہیں نبیوں کے ظاہر اور دیں کا جُبہ آپؐ ہیں
آپ ہیں پاکیزہ سب سے اور آپؐ ہی ہیں دل کا نور
آپ ہیں نبیوں کے طاہر اور دیں کا خطبہ آپؐ ہیں
آپؐ ہی اول رہے ہیں اور آپؐ ہی آخر بھی ہیں
آپؐ ہیں نبیوں کے ناظر اور دیں کا رشتہ آپؐ ہیں
آپؐ ہیں اعلیٰ و افضل اور آپؐ ہی ہیں دیں کی رُوح
آپؐ ہیں نبیوں کے وارث اور دیں کا کلمہ آپؐ ہیں

ذکی طارق بارہ بنکوی

ان کے بن گردشِ روز و شب دیکھئے
مجھ پہ ڈھاتی ہے کیا کیا غضب دیکھئے
میں نے جو مانگا اس نے عطا کر دیا
مہرباں مجھ پہ ہے کتنا رب دیکھئے
حسن میں کیا بلا کا ہے آیا نکھار
اس کو آکر ذرا آپ اب دیکھئے
سرخ رُخسار ہوتے ہیں کیا دیدہ زیب
جب وہ غصے میں ہو اس کو تب دیکھئے
ایسے کیسے بھلا مان جائے گا وہ
اس کی ناراضگی کا سبب دیکھئے
مر کے بھی زندہ ہیں غالب اقبال میرؔ
یہ ہے معیار علم و ادب دیکھئے
کیا وہ خوشیوں کا تعویذ ہے پا گیا
ہنستا ہی رہتا ہے اس کو جب دیکھئے
تب چلے گا پتہ کتنے فیاض ہیں
ان سے کچھ آپ کرکے طلب دیکھئے

نعت

ماہم حیا صفدر

دو جگ کے تاجور ہیں، ہے تاج انؐ کے سر پر
جھکتا ہے کل جہاں میرے مصطفیٰؐ کے در پر
ہر ایک اُمتی کا چہرہ ہے یاد اِس کو
قربان میرے آقاؐ میں آپؐ کی نظر پر
تطہیر کی ردا میں لپٹے ہوئے مکیں ہیں
میں واردوں متاعِ ہستی انہیؐ کے گھر پر
ہے نور کا لبادہ، کامل بشر کا حلیہ
اُس نور پر فدا میں، قرباں میں اُس بشر پر
ہیں دل نشیں نظارے، پرنور ہر سماں ہے
میں باغِ ہشت واروں سرکارؐ کے نگر پر
فطرت کے یہ مظاہر انؐ کے گواہ بھی ہیں
ہے نقش معجزہ انؐ کا سینۂ قمر پر
میں اک گدا ہوں میری خواہش ہے بس حیاؔ یہ
میری حیات ساری گزرے یہ انؐ کے در پر
کبھی صیاد کا کھٹکا ہے کبھی خوفِ خزاں
بلبل اب جان ہتھیلی پہ لئے بیٹھی ہے

خرم سہیل امریکہ

ضبط کے محور میں اشکوں کو چھپاتا ہی رہا
بے مہر سی اک ہنسی لب پر سجاتا ہی رہا
ساکنان شہر سارے جن کو میں سمجھا رفیق
ہر کوئی سچ پر مرے انگلی اٹھاتا ہی رہا
مجھ پے فردِ جرم قاضی نے لگائی یہ کہ میں
دیپ سچ کے گھپ اندھیروں میں جلاتا ہی رہا
میں رضا پے اپنے رب کی ہوگیا راضی مگر
وسوسہ جانے کہاں سے دل میں آتا ہی رہا
پیشوا کوئی نہ تھا جس کی میں کرتا پیروی
سایہ بن کے خود کا میں منزل کو جاتا ہی رہا
کیا ہوا جو آنکھ کا اس کی ناتارا بن سکا
جس کی میں تقدیر تھا اس کو بھاتا ہی رہا
اس کو تھا مقصود میرے صبر کو بس جانچنا
ہر گھر وندا جبر کا میں بھی توڑھاتا ہی رہا
اس نے ٹھانی تھی بھلا دے گا مجھے یکسر سہیل
پر مسلسل خواب میں اس کے میں آتا ہی رہا

آفتاب شاہ

تُو نے نظروں سے کئی لوگ گرائے ہوں گے
ہم نہیں پہلے بھی کچھ لوگ رلائے ہوں گے
شہر کا شہر جو پھرتا ہے عجب حالوں میں
تُو نے آنکھوں سے انہیں جام پلائے ہوں گے
جن کے لہجوں میں الم، باتوں میں دکھ ملتا ہے

سوچ چہروں سے ڈھکے لوگ ستائے ہوں گے
ہم جو ہر حال میں دیتے ہیں دُعائیں تجھ کو
جانے کس قرض میں کیا قرض اٹھائے ہوں گے
کتنے دلدار تری لاش سے لپٹے ہوں گے
کتنے غم خوار تری موت پہ آئے ہوں گے
تیری راہوں میں ڈھلے ہوں گے آفتاب کئی
عشق والوں نے یہاں سر بھی کٹائے ہوں گے

فرزانہ صفدر

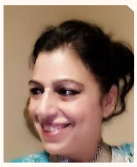

اتنا بس تم کیا کرو، ہنس کر ہم سے ملا کرو
دل کو تسلی رہتی ہے آس پاس ہی رہا کرو
سو باتوں کی بات، دل کا ساتھ ہے سچا ساتھ
دل کی بات ہے سچی بات، دل کی بات ہی سنا کرو
اتنا تم کیوں روتے ہو، چین سے تم نہیں سوتے ہو
جن سے وفا کی آس نہ ہو، گلہ نہ ان سے کیا کرو
ہنسنا گانا اچھی بات، یاد ہے لیکن یہ بھی بات
آنکھوں میں آنسو آجائیں، اتنا بھی مت ہنسا کرو
دنیا کی اس بھیڑ میں تم سب سے ملتی رہتی ہو
فرزانہ تنہائی میں خود سے بھی تو ملا کرو

ڈاکٹر ظفر جاذب

کچھ لوگ زندگی میں مری کارواں رہے
مجھ سے بچھڑ گئے وہ مگر جاوداں رہے
گھر کے معاملات کا کردار یہ رہا
بن کے رقیب اس کے مرے درمیاں رہے
میرے اصول دیکھ کے سب یار، دوست بھی
مجھ سے خفا خفا سے رہے بدگماں رہے
دیکھا جو اس کو غیر کے پہلو میں تو کہا
یارب یہ مرا دوست رہے خوش، جہاں رہے
دل سے جو دربدر کرو جاذب یہ سوچنا
جس کا یہی ہو آسرا پھر وہ کہاں رہے

ڈاکٹر ظفر جاذب

ملتی امیر شہر کو بینائی بھی اگر
پھیلا ہوا ہے کس قدر اندھیر دیکھتے
شائد ہماری بھوک کا سامان ہو سکے
بچے رہے اس آس پہ چنگیر دیکھتے
عباس تیرے نام میں اک بھی نہیں ہے زیر
دنیا میں کیسے تجھ سا کوئی شیر دیکھتے

سعید نظر، کویت

کیا دیا کیا نہیں دیا صحرا
تجھ کو کیسا لگا بتا صحرا
اس کو سہلا رہا تھا پہلے کچھ
میرے کاندھوں پہ سوگیا صحرا
میرے پہلو میں بیٹھ کر اکثر
بات کرتا رہا مرا صحرا
میری آنکھوں کے آگے آگے ہی
ایک عرصے تلک رہا صحرا
سب کو بسنا ہے ایک دن مجھ میں
آکے نزدیک کہہ گیا صحرا
اس کی حرمت بچی رہے ہر دم
اور خود بھی رہے سدا صحرا
چشمہ نور صورت زمزم
کر رہا ہے ہمیں عطا صحرا
گرد آلود چہرہ چہرہ ہے
اتنا پہلے نہ تھا خفا صحرا
اس سے ملتا ہے امن کا پیغام
کس قدر ہے نظر بھلا صحرا

طاہرہ رُباب

شمس و قمر کی بات ہے کیا کبریا سے پوچھ
تخلیق کے مزاج کا محور خدا سے پوچھ
محبوب کبریا محمدؐ ہے جن کا نام
ان کے مکان لا کو ذرا منتہا سے پوچھ
تو کس کی کر رہا ہے ثناء تجھ کو کیا خبر
کنز خفی کا عشق ہے کیا، ماورا سے پوچھ
تسبیح مصطفیٰ کو بنا، خورد اور کلاں
انوار ذکر کیا ہیں یہ ارض و سما سے پوچھ
نذرانہ کیسے پیش کریں ہم زمیں باش
تسبیح رباب ان کی تو اعلی ملاء سے پوچھ

طفیل عامر

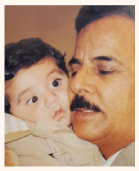

ٹھنڈیاں مِٹھیاں چھاواں پِچھے
روندے بال نیں ماواں پِچھے
ویلا اَجے وی سُرت لین دا
چُھڈ جاوَن نہ ہاواں پِچھے
ہَتھ سوہنے دے ہَتھ چ دِتّہ
راہ واں چُھڈیاں راہ واں پِچھے
ہون جنہاں دے، قدر نہ کوئی
روندے لوک بھرا واں پِچھے
مَیں، جو، پیار نوں فیر وی ترساں
مَیں تے فیر وی جاواں پِچھے
عِزّت جانن، عِزّت والے

جان وی دیندے، ناواں پچھے
کیہ کریئے تے کتھوں جایئے
ہر کوئی ایتھے، داواں پچھے
قبر نصیباں نال اے یارا
مر جانے آں تھاواں پچھے
اسی لوک وی کیہ آں عامر
ڈھپی سڑ گئے چھاواں پچھے

مرزا غالبؔ

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے
آخر اِس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مُشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پُوچھو، کہ مُدّعا کیا ہے
جب کہ تُجھ بِن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ، اے خُدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ وعشوہ و ادا کیا ہے
سبزہ و گُل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہَوا کیا ہے
ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نِثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

اوقاتِ نظر رہنا

ایم اے شرجیل

آبشار سے گرتی پھلوار نظر میں رکھ
پھر قلم کو دے زور داستان کو یاد رکھ
گرتے پانی کو محسوس خاص میں رکھ
جس شے سے بنا انساں وہ یاد رکھ
گرتے پانی کو شورِ نظر میں رکھ
اپنے آپ کو اک لمحہ تنہائی میں رکھ
بے رنگ زندگی کو پانی کے رنگ میں رکھ
اک لمحہ تنہائی کو جدائی میں یاد رکھ
تن کو من سے وابستگی میں یاد رکھ
کب تلک روح کو تن سے جدا کو یاد رکھ
اپنی انا کو مجرم کے کٹہرے میں رکھ
مٹی کے ڈھیر کو اپنی اوقات میں رکھ
تکبر نے دُنیا کو برباد کر دیا یاد رکھ
موسیٰ کے خدا کو پکارتے فرعوں کو یاد رکھ
دُنیا امتحان کی جگہ ہے قیامت کو یاد رکھ
نمازِ عشق کو وابستگی خدا کو یاد رکھ

امن ومحبت

چیف سید معین شاہ

امن چاہتے ہیں، ہم امن چاہتے ہیں
نفرت نہیں، ہم محبت چاہتے ہیں
پیار کے لئے پیدا ہوئے ہیں ہم
امن چاہتے ہیں، محبت چاہتے ہیں
یہ زمیں یہ آسماں سبھی کے ایک ہیں
ہم اک آسماں تلے سبھی ایک ہیں
ملک مختلف، ہمارے قبائل مختلف
پھر بھی اس دنیا میں سبھی ایک ہیں
دشمنی نہیں، ہم پیار چاہتے ہیں
امن چاہتے ہیں، امن چاہتے ہیں
محبت و امن کے لیئے زندہ ہیں ہم
جنگ نہیں، امن کا نعرہ چاہتے ہیں
گر چہ ہم پاس نہیں، دور ہیں
پھر بھی ایک ہیں، محبت چاہتے ہیں
نفرت نہیں، ہم محبت چاہتے ہیں

کلیات اقبال فارسی

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
(مریم کی عزت ایک نسبت سے ہے وہ عیسیٰ ہیں)
از سہ نسبت حضرت زہراء عزیز
(جبکہ زہراءس ۳ نسبتوں کی حامل ہیں)
نور چشم رحمت العالمین
(رسول اللہؐ کی انکھوں کا نور ہیں)
آن امام اولین و آخرین
(وہ رسول ص جو اولین وآخرین کے امام ہیں)
انوی آن تاجدار ھل آتی
(علی کی زوجہ ہیں)
مرتضیٰ مشکل کشاء شیر خدا
ادر آن مرکز پرکار عشق
(مکتب عشق کے نقطہ مرکزی کی ماں ہیں)
مادا آن کاروان سالار عشق
(عاشقوں کے سالار یعنی امام حسین کی ماں ہیں)
زرع تسلیم را حاصل بتول
(تسلیم ورضا کی کھیتی کا حاصل بتول ہیں)
مادران را اسوہ کامل بتول
(اور ماؤں کے لئے اُسوہ کامل بتول ہیں)

رشتہ آئین حق زنجیر پاست
(آئین حق سے تعلق میرے پیر کی زنجیر ہے)
پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
(اور مجھے رسولؐ کے فرمان کا پاس ہے)
ورنہ گرد ترتبش گردیدمی
(ورنہ مین تربت زہراء کے گرد طواف کرتا)
سجدہا بر خاک او پا شیدمی
(اور اس کی تربت کی خاک پر سجدے کرتا)

ساحر لدھیانوی کی یاد میں

سراج زیبائی

آپ کو ہم بھلا نہ پائیں گے
آپ کے گیت یاد آئیں گے
کتنے آسان آپ کے نغمے
فلم کی جان آپ کے نغمے
جھوم کر لوگ گنگنائیں گے
آپ کے گیت یاد آئیں گے
کیا لب و لہجہ کیا روانی ہے
شاعری کیسی جاودانی ہے
نغمہ گر ایسے پھر نہ آئیں گے
آپ کے گیت یاد آئیں گے
آپ پر ناز فلم نگری کو
فخر و اعزاز فلم نگری کو
کیسے غم آپ کا بھلائیں گے
آپ کے گیت یاد آئیں گے
سارے سر تال ہیں اُداس اُداس
خون روتے ہیں سب قلم قرطاس
داغ ساحر مٹا نہ پائیں گے
آپ کے گیت یاد آئیں گے

سید اسلم صدا آمری

کہیں زلفیں، کہیں آنکھیں، کہیں ابرو تیرے
کتنے عنوان لئے آئی ہے خوشبو تیرے
صندلیں شانوں پہ مہکے ہوئے گیسُو تیرے
صدقے رہ رہ کے ہوئی جاتی خوشبو تیرے
عطر آسا ہوا جاتا ہے تخیل میرا
جب تصور میں مہک جاتے ہیں گیسو تیرے
تیرے احساس کی خوشبو کو جیا ہے میں نے
ایسا لگتا ہے کہ بیٹھا ہوں میں بازو تیرے
مجھ سے ہر دفعہ تو ملتا ہے نیا چہرہ لئے
کتنے خاکے بناتا رہوں خوش رو تیرے
بال کیا بیکا کرے اب کوئی طوفاں میرا
آشیاں جن پہ مرا ہے وہ ہیں بازو تیرے
اچھے اچھے بھی تیرے دام میں آجاتے ہیں
توڑ کوئی نہیں جن کا وہ ہیں جادو تیرے
رونق افروز ہوئی جاتی ہے دل کی دہلیز
قوس محراب ہوئے جاتے ہیں ابرو تیرے
رب کے پہلو میں ہوا جب سے بسیرا تیرا
پہلو پہلو سے اُجاگر ہوئے پہلو تیرے
جوش میں آگئی اللہ کی رحمت بھی" صدا"
منفعل آنکھ سے جب ڈھل گئے آنسو تیرے
اِدھر کو آ دوست میرے جمال ہے مہ خانہ
تو بھی کہہ اٹھے گا کمال ہے مہ خانہ
کسی نے باہر آنسوؤں سے یہ لکھا ہے
کم شناسی خدائے الفت میں زوال ہے مہ خانہ
پھیل گئی پیاس کتنی دیر اور ٹھہرو گے
تشنہ لبوں کی اُلجھن میں سوال ہے مہہ خانہ
دیکھنا بعد از فنا جی اٹھے گی لاشیں
وحی میں اترے گا کلام حلال ہے مہہ خانہ
ایڑیاں رگڑے گی نہیں پیاس اب صحراؤں میں
آنکھ جام کوثر سی ہر چال ہے مہہ خانہ
گونجتا ہے وجد گفتگوئے دوستان دوست میں اظہر
جس خیال میں بھی جاؤں خیال ہے مہ خانہ

پروفیسر عبدالقدیر کوکب

اپنی منزل کا کیا اب بتائیں
داستاں غم کی کس کو سنائیں
چوٹ ہم دل پہ کھائے ہوئے ہیں
اپنوں سے ہی ستائے ہوئے ہیں
کیسے روٹھے ہوؤں کو منائیں
جان و دل ان پہ کیسے لٹائیں
ہم سے نظریں چرائے ہوئے ہیں
خود کو ہم سے چھپائے ہوئے ہیں
ہاتھ دشمن سے کیسے ملائیں
دوستی ان سے کیسے بڑھائیں
گھر ہمارے جلائے ہوئے ہیں
جشنِ خوں جو منائے ہوئے ہیں
بے دھڑک جاں بھی چاہیں وہ جائیں
گولیاں جس پہ چاہیں چلائیں
خونِ ناحق بہائے ہوئے ہیں
خود کو سب سے گرائے ہوئے ہیں
کس کو کوکب غمِ دل سنائیں
سونے والوں کو کیسے جگائیں
وہ تو ربّ کو بھلائے ہوئے ہیں
خوں جو منہ کو لگائے ہوئے ہیں

ارحم علیم

اپنی زندگی کے ساتھ عداوت نہ کیجئے
یہ بیوفا ہے اس سے محبت نہ کیجئے
جس کی گلی میں جانے کو دل مچلے
اس دلبر سے کبھی شکایت نہ کیجئے
دیکر داغ محبت رکھ کے چاروں پہر غم تلے
یوں آتے جاتے آپ ہم سے الفت نہ کیجئے
ساتھ رندوں کے حالت مدہوشی میں
حضرت! میکدے میں عبادت نہ کیجئے
اچانک رخ سے ہٹا کے نقاب وہ بولے یہ ہم ہیں
ابھی زندہ ہوں مجھ پر یوں قیامت نہ کیجئے
وقت آخر پر آنا آپ کا بھلا کیا آنا ہوا؟
اب وقت رخصت ہماری عیادت نہ کیجئے

شکست ۔ اختر چیمہ

شکریہ! تیری نوازش کا مگر اے چنچل
قافلے دل کے سر راہ لٹا بیٹھا ہوں
آج آئی تو مرا ساتھ نبھانے کے لئے
جب میں منزل کی تمنا ہی بھلا بیٹھا ہوں
تیرا معیار نظر رفعت آفاق تھا کل
آج کیوں خاک نشیں ہی تجھے یاد آیا ہے
''میرے دلبر مجھے تم ہو بہ سر و چشم قبول''
مدتوں بعد عبث میرا خیال آیا ہے
تو کسی شہر فلک ناز کی شہزادی تھی
تیرے خوابوں کا جو شہزادہ تھا وہ میں تو نہ تھا
چشم انصاف سے ماضی کے دریچے میں تو جھانک
تو نے شدت سے جسے چاہا تھا وہ میں تو نہ تھا
میں ترے عشق میں رسوا سر بازار ہوا
میری ناکام اُمنگوں کو یوں تشہیر ملی
تو مرے دل میں رہی خواب پریشاں کی طرح
میری نادار محبت کو نہ تعبیر ملی
اپنی تقدیس گنوا کر تو یہاں آئی ہے
ہم سفر اپنی بنا لوں کبھی ممکن ہی نہیں
قلب صد چاک شفایاب نہیں ہو سکتا
سونے آنگن کو بسا لوں کبھی ممکن ہی نہیں
لوٹ لی تیری جفاؤں نے وفا کی بستی
عمر بھر چین کی میں نیند نہیں سو سکتا
گلشن دل میں نہیں رہتی سدا فصل بہار
پیڑ سوکھا ہوا سر سبز نہیں ہو سکتا
میں ابھی محو تماشائے شکست دل ہوں
شاید اب نغمہ مسرت کا کبھی گا نہ سکوں
میری اجڑی ہوئی دنیا سے کنارا کر لے
میں تجھے ڈھونڈنا چاہوں تو کہیں پا نہ سکوں
اپنا آنچل مرے قدموں میں ندامت سے نہ رکھ
کوچۂ دل کبھی آباد نہیں ہو سکتا
مہرباں ہو کے مرے زخموں کو تازہ مت کر
اب ترے وصل سے بھی شاد نہیں ہو سکتا

عبدالشکور شاکر، اوہائیو

مُعجزہ رُونما ہُوا کیسے
بُجھ رہا دیپ جل اُٹھا کیسے
یہ تو جذبات کی کرامت ہے
ہو گیا اُس سے سامنا کیسے
میں نہ کہتا تھا حوصلہ رکھنا
در کہ تھا بند وہ کُھلا کیسے
ہر کوئی دیکھتا ہے حیرت سے
ابتدا کیا تھی انتہا کیسے
تیری قسمت عجیب ہے شاکرؔ
مِل گیا آج دِلرُبا کیسے

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

اللہ کی ہستی پہ ہے جس شخص کا ایمان
ہوتا نہیں دنیا کے مصائب سے پریشان
لکھا ہے فقط نامِ خدا اور محمدؐ
ہاتھوں میں جو تھاما ہے قلم اور قلمدان
ہم اُس کے بھروسے پہ سفر کرتے ہیں ورنہ
یہ زیست کا رستہ کوئی ہوتا نہیں آسان
عشاق ترے تجھ سے ملاقات کی خاطر
پھرتے ہیں مدینے میں لیے چاک گریبان
فرحت~ جو ملے ہیں مجھے اسباب خوشی کے
اُن کا ہی یہ احسان ہے احسان ہے احسان

ڈاکٹر ولی محمد ساغر کی یاد میں

آفتاب احمد اختر

وہ جہان سرجری کا اک سپہ سالار تھا
نام تھا اس کا ولی، ساغر مئے انوار تھا
رہنما تھا نوجوانان طبابت کے لئے
اک مسیحائے غریب و بے کس و بیمار تھا
فنِ جراحت میں تھی اس کی ہمہ دانی عیاں
اس کا دست فیض تھا قدرت کا اک زندہ نشاں
کامیابی، کامرانی کی درخشندہ کتاب
ہر سطر ہر باب جس کا معجزوں کی داستاں
قصہ محرومی دل حشر تک تڑپائے گا
اس زمانے میں مثیل اُسکا کہاں سے آئیگا

اب خدا سے پوچھتے ہیں اشکبار آنکھوں سے ہم
کیا ہمیں وہ سایہ رحمت میسر آئیگا؟
زندگی کے راز کو اب تک کہاں سمجھے تھے ہم
عمر فانی کو نشاطِ جاوداں سمجھے تھے ہم
اُسکی رحلت پہ ہے اختؔر کیوں زمانہ دلفگار
وہ تو تھا جنت مکیں۔ اُسکو یہاں سمجھے تھے ہم

انتخاب

''کافر ہوں، سر پھرا ہوں، مجھے مار دیجئے
میں سوچنے لگا ہوں، مجھے مار دیجئے
ہے احترامِ حضرت ِانسان میرا دین
بے دین ہوگیا ہوں، مجھے مار دیجئے
میں پوچھنے لگا ہوں سبب اپنے قتل کا
میں حد سے بڑھ گیا ہوں، مجھے مار دیجئے
کرتا ہوں اہل جبہ ودستار سے سوال
گستاخ ہوگیا ہوں، مجھے مار دیجئے
خوشبو سے میرا ربط ہے جگنو سے میرا کام
کتنا بھٹک گیا ہوں، مجھے مار دیجئے
معلوم ہے مجھے کہ بڑا جرم ہے یہ کام
میں خواب دیکھتا ہوں، مجھے مار دیجئے
زاہد یہ زہد و تقویٰ و پرہیز کی روش
میں خوب جانتا ہوں، مجھے مار دیجئے
بے دین ہوں مگر ہیں زمانے میں جتنے دین
میں سب کو مانتا ہوں، مجھے مار دیجئے
پھر اس کے بعد شہر میں ناچے گا ہُو کا شور
میں آخری صدا ہوں، مجھے مار دیجئے
میں ٹھیک سوچتا ہُوں، کوئی حد میرے لیے؟
میں صاف دیکھتا ہُوں، مجھے مار دیجئے
یہ ظلم ہے کہ ظلم کو کہتا ہُوں صاف ظلم
کیا ظلم کر رہا ہوں، مجھے مار دیجئے
میں عشق وامن ہوں، میں علم ہوں، میں خواب
اک دردِ لادوا ہوں، مجھے مار دیجئے
زندہ رہاتو کرتا رہُوں گا ہمیشہ پیار
میں صاف کہہ رہا ہوں، مجھے مار دیجئے
جو زخم بانٹتے ہیں انہیں زیست پہ ہے حق
میں پھول بانٹتا ہُوں، مجھے مار دیجئے
ہے امن شریعت تو محبت مرا جہاد
باغی بہت بڑا ہُوں، مجھے مار دیجئے
بارُود کا نہیں مرا مسلک درود ہے
میں خیر مانگتا ہُوں، مجھے مار دیجئے

مدثر اشعر

یوں نہیں ہے کہ تعلق واسطہ اچھا نہیں
مسئلہ یہ ہے ہمارا رابطہ اچھا نہیں
اب جو اتنے آبلے لے کر پلٹ آئے ہو تم
میں نے سمجھایا بھی تھا کہ راستہ اچھا نہیں
اس لئے بھی میں گریزاں ہوں تمہارے شہر سے
روشنی اچھی ہے پر اسکا نشہ اچھا نہیں
رنگ اور خوشبو میں وہ اک پیکر نایاب ہے
بس ذرا لہجے کا تھوڑا ذائقہ اچھا نہیں
چار چھ دن ساتھ چل کر دیکھ لو پھر سوچنا
جوش میں آکر کوئی بھی فیصلہ اچھا نہیں
مفلسی مجبور کر دیتی ہے گرنے کیلئے
بھوک کیا جانے کہ کیا اچھا ہے کیا اچھا نہیں
فون کی دوکاں سے پہلے سارا گاؤں ایک تھا
اب کسی کا بھی کسی سے رابطہ اچھا نہیں
لوگ اس سے پوچھتے ہیں ہجر کے غم کی دوا
عشق میں تو آپ اسکا تجربہ اچھا نہیں
میں نے ساری رات رکھ دی شعر کی بنیاد پر
اسنے آدھا ہی سنا اور کہہ دیا اچھا نہیں

احمد فرہاد

یہ اپنی مرضی سے سوچتا ہے اسے اُٹھا لو
''اُٹھانے والوں'' سے کچھ جدا ہے اِسے اُٹھا لو
وہ بے ادب اس سے پہلے جن کو اُٹھا لیا تھا
یہ ان کے بارے میں پوچھتا ہے اِسے اُٹھا لو
اسے بتایا بھی تھا کہ کیا بولنا ہے کیا نہیں
مگر یہ اپنی ہی بولتا ہے اِسے اٹھا لو
جنہیں ''اُٹھانے'' پہ ہم نے بخشے مقام وخلعت
یہ اُن سیانوں پہ ہنس رہا ہے اسے اٹھا لو
یہ پوچھتا ہے کہ امنِ عامہ کا مسئلہ کیوں
یہ امنِ عامہ کا مسئلہ ہے اِسے اٹھا لو
اِسے کہا تھا جو ہم دکھائیں بس اُتنا دیکھو
مگر یہ مرضی سے دیکھتا ہے اِسے اٹھا لو
سوال کرتا ہے یہ دوانہ ہماری حد پر
یہ اپنی حد سے گزر گیا ہے اسے اٹھا لو

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

اِن آنکھوں میں تُو تھا تو حسیں خواب بہت تھے
گلشن مرے دل کے کبھی شاداب بہت تھے
غیروں کے ستم ہوتے تو ہو جاتا گزارہ
اپنوں ہی سے بربادی کے اسباب بہت تھے
دو چار بھنور آئے نظر مجھ کو ڈبونے
پوشیدہ تھے نظروں سے جو گرداب بہت تھے
گو سطحِ سمندر پہ نظر آئے نہ طوفاں
سینے میں چھپے گر چہ تہِ آب بہت تھے

ہونٹوں کو جو دیکھا ہے تو پیاسے نظر آئے
آنکھوں میں وہیں پر کہیں سیلاب بہت تھے
اظہارِ محبّت کا سلیقہ نہیں آیا
تہذیب نے سکھلائے جو آداب بہت تھے
طارق ؔ نے تراشا ہے صنم اپنا وگرنہ
بت خانے کے بت سارے ہی نایاب بہت تھے

عبدالحمید حمیدی

اس حسن بے مثال کو دیکھوں کس طرح
تِل نے کیا کمال جو دیکھوں تو کس طرح
گل رنگ لب سیلے ہوئے کچھ انتظار میں
اف رنگ لال لال جو دیکھوں تو کس طرح
کچھ روشنی سیاہی سے چھن چھن کے آرہی
تاروں بھرا وہ جال جو دیکھوں تو کس طرح
صوت کتابی کینوس کے اوپر جڑی ہوئی
آنکھوں میں ہے سوال جو دیکھو تو کس طرح
مسکان زیر لب وہ تبسم میں ڈھل رہی
جانِ غزل خیال جو دیکھوں تو کس طرح

عجب سائل کوئٹہ

انا پرست ملے یار سارے جھوٹے ملے
قدم قدم پہ سدا غمگسار سارے جھوٹے ملے
چراغ دل کا جلا کر مجھے سنایا گیا
وہ داستان وہ اظہار سارے جھوٹے ملے
وہ جلتی آنکھوں میں آنسو وہ درد دل کا غبار
وہ دھیمے دھیمے سے کردار سارے جھوٹے ملے
نظر کے تیر چلا کر جگر کے داغ بنے
بنے تھے جتنے خریدار سارے جھوٹے ملے
سکوں کے نام پہ سائل ملا فریب نظر
بنے تھے بھی اشجار سارے جھوٹے ملے

اُردو کا درد

شازیہ عالم شازی

زبانِ محبت ہے اردو جہاں میں
مگر آ پھنسی جاہلوں کی کماں میں
بہت دور آئے بہت نام بدلے
اسی پر زمانے کے کہرام بدلے
کبھی ریختہ تو کبھی ارد ہو کر
چلی جا رہی ہے جہاں برد ہو کر
زباں کو جہاں میں ملے کیا تحفظ
یہاں املا مفقود واں پر تلفظ
جہاں عَقل کھو کر عقَل ہو گئی ہے
وہیں نَقل سب کی نَقَل ہو گئی ہے
یہاں ہجر ڈھلنے لگا ہے ہجَر میں
یہاں نذر ملنے لگی ہے نظر میں
اگر عَرَش لے کر عَرَش کر دیا ہے
تو فَرش اس نے بالکل فرَش کر دیا ہے
کئی لوگ اپنی ہی دھن میں مچلتے
تڑپتے کو پڑھنے لگے ہیں تڑفتے
کبھی سَرد تھا جو سَرَد ہو گیا ہے
تبھی دَرد ان کا دَرَد ہو گیا ہے
نزاکت سے توڑا جفا سے پچھاڑا
جہاں نے اسے سب سے بڑھ کر بگاڑا
بہارِ چمن کھو گئی ہے خزاں میں
تمیز اب ہے مشکل مکین و مکاں میں
ملے لوگ ایسے بھی اس کی دکاں پر
یقیں رو پڑا آپ جن کے گماں پر
حساب اپنا بے باق کرنے لگے تھے
مگر اس کو بے باک کرنے لگے تھے
کہیں کس کو جا کر یہ کس کی خطا ہے
کسی نے تو ماجی کو ماہی کیا ہے
یہاں جن کو اُردو کا حامی کہیں گے
وہی لوگ حامی کو ہامی لکھیں گے
حساب اس میں سارا جو چکتا ہوا ہے
عجب ہے کہ نقطے کا نکتہ ہوا ہے
زباں پر عجب سا زوال آگیا ہے
حلال اس نے لکھا ہلال آگیا ہے
مری قوم جانے کہاں سو رہی ہے
یہاں اپنی قومی زباں کھو رہی ہے
میں گننے سے قاصر وہ کہتے ہیں تھوڑے
اس اردو پہ جتنے ستم ہم نے توڑے
زمیں آسماں ہے فلک پر زمیں ہے
مگر یہ ابھی تک وہیں کی وہیں ہے
زبانِ محبت کو رائج کرا دے
خدا ان جوانوں کو اردو سکھا دے
دعا ہے یہ ساحل کی شمشاد رکھنا
خدا میری اردو کو آباد رکھنا

آصف جاوید

عشق اگر رنگ پہ آیا بھی تو کیا کر لے گا
یعنی بے موت بھی مرجانا پڑے مرلے گا
کیا سمجھتا ہے زمانہ نہ ہنسے گا تجھ پر
تو مرے دل کی کھنڈر بستی میں جب گھر لے گا
بس کہ یہ بات مقدر میں کوئی لکھتا ہے!
یہ بتا جان! کہ تُو جان کے پتّھر لے گا؟

وہ تو اک وعدہ ہے جس واسطے زندہ ہوں ابھی
ورنہ ہے کوئی جو اِس ہجر میں جی مر لے گا
جا غمِ یار بھری دنیا ترے نام ہوئی
اب تو جاں چھوڑ کہ اب اور مرا سر لے گا
یہ ترا مستی بھرا لہجہ یہ آنکھوں کی چمک
تو مزہ وصل کا لگتا ہے برابر لے گا
اب میں کیا گال پہ چٹکی بھی نہیں بھر سکتا
اب تو اِک عام سی شیطانی بھی دل پر لے گا
دلِ مہجور تری خیر کہ سو لینے دے
خود بھی سوجا کہ یونہی سسکیاں شب بھر لیگا
ٹھیک ہے ہنس لے مرے حال پہ ہنس لے جاوید
پھر تجھے پوچھوں گا جب وقت تجھے دھر لے گا

مبارک صدیقی

کوئی بارش وہ برسا مولا
پھر موسم سارے چمک اٹھیں
پھر لوگ مبارک بادیں دیں
پھر سجدہ گاہیں دمک اٹھیں
کیا بھول ہوئی انسانوں سے
ہم عرض کریں یہ رو رو کر
اب معاف بھی کر تقصیروں کو
ہم تھکے جنازے ڈھو ڈھو کر
اک بات کھٹکتی ہے سائیں
کچھ لوگ خدا بن بیٹھے تھے
کچھ دشت بگولوں کے ذرے
خود کیا سے کیا بن بیٹھے تھے
اک نادیدہ سے مچھر نے
اوقات کرا دی یاد ہمیں
کیا منظر تھے کیا موسم تھے
ہر بات کرا دی یاد ہمیں
اب تنہائی میں یاد آیا
ہم بھولے تھے اوقات سائیں
پر جانے دے ہم چاکر ہیں
کر پیار کی پھر برسات سائیں
ہم لوگ فقیر ترے در کے
تو مالک ہے ستار بھی ہے
تو پالن ہار ہمارا ہے
تو مرشد بھی غفار بھی ہے۔
کوئی بارش وہ برسا مولا
پھر موسم سارے چمک اٹھیں
پھر لوگ مبارک بادیں دیں
پھر سجدہ گاہیں دمک اٹھیں

علی تنہا

اپنے منصب سے یہ انجان بھی ہو سکتا ہے
یہ جو انسان ہے شیطان بھی ہو سکتا ہے
ہم کو لگتا ہے بظاہر جو فرشتوں کی طرح
اُس کو پرکھیں تو وہ حیوان بھی ہو سکتا ہے
تم جو ہر روز ہی اعصاب پہ چھا جاتے ہو
ابھی چند غزلیں ہیں دیوان بھی ہو سکتا ہے
دل کے گھر پر تو اسی شخص کا قبضہ ہے میاں
اس کی مرضی ہے وہ مہمان بھی ہو سکتا ہے
تیری نظروں میں جو کافر ہے خدا جانے وہی
مردِ مومن بھی مسلمان بھی ہوسکتا ہے
وہ جو ہر ایک کی خاطر ہے مسیحا کی طرح
خود وہ اندر سے پریشان بھی ہو سکتا ہے
تختِ شاہی پہ خرد ناز سے بیٹھا ہے مگر
حسن چاہے تو وہ دربان بھی ہو سکتا ہے
مجھ کو لگتا ترے ہجر میں مرنا ہے مجھے
ایسا نقصان میری جان بھی ہو سکتا ہے
یہی بہتر ہے میرے یار جدا ہو جائیں
ساتھ رہنے میں تو نقصان بھی ہو سکتا ہے

احمد حسین مائل

مانگی نجات ہجر سے تو موت آگئی
روزے گلے پڑے جو چھڑانے گیا نماز
محشر میں چلتے چلتے کروں گا ادا نماز
پڑھ لونگا پل صراط پہ مائلؔ قضا نماز
سر جائے عمر بھر کی ہو یا رب ادا نماز
آئے مری قضا تو پڑھوں میں قضا نماز
مانگی نجات ہجر سے تو موت آگئی
روزے گلے پڑے جو چھڑانے گیا نماز
دیکھو کہ پھنس نہ جائیں فرشتے بھی جال میں
کیوں پڑھ رہے ہو کھول کے زلف رسا نماز
ہر اک ستون خانۂ شرع شریف ہے
روزہ ہو یا زکوٰۃ ہو یا حج ہو یا نماز
یہ کیوں خمیدہ ہے صفت صاحب رکوع
کیا پڑھ رہی ہے دوش پہ زلف دوتا نماز
نیت جو باندھ لی تو چلا میں حضور میں
رہبر مری نماز مری رہنما نماز
ساقی قیام سے یہ جو آیا رکوع میں
شیشہ خدا کے خوف سے پڑھتا ہے کیا نماز
اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ بیٹھ کے کرتا ہے کیوں غرور
زاہد کہیں بڑھائے نہ تیری ریا نماز

ارکان یاد ہیں مجھے اے داور جزا
گر حکم ہو تو سامنے پڑھ لوں قضا نماز
شیطان بن گیا ہے فرشتہ غرور سے
کیا فائدہ ہوا جو پڑھی جا بہ جا نماز
لے جاتے ہیں مجھے سوئے دوزخ کشاں کشاں
روزے مرے ادھر ہیں ادھر ہے قضا نماز
حق الیقین کا نام عروج مقام ہے
پڑھتے ہیں اولیا سر دوش ہوا نماز
مسجد میں پانچ وقت دعا وہ بھی وصل کی
مائلؔ بتوں کے واسطے پڑھتے ہو کیا نماز

ڈاکٹر مقصود جعفری

(گذشتہ سے پیوستہ)

جس کو نہیں زوال وہ عہدِ خزاں ہیں ہم
جو گُلستاں سے رُوٹھی وہ فصلِ بہار ہیں
سورج ہمارے عہد کا گہنا گیا ہے کیا؟
جس کی سحر نہیں وہ شبِ انتظار ہیں
کیا ذکر روشنی کا، اجالوں کا ذکر کیا
مدّت ہوئی ہے ظُلمتِ شب کا شکار ہیں
ہیں خستگانِ زیست کی راہوں میں برگِ گُل
اور غم زدوں کے واسطے ابرِ بہار ہیں
تزئینِ بزمِ ارض و سما بھی ہمیں سے ہے
ہم ہی رُخِ نگارِ جہاں کا نکھار ہیں
دیکھے ہیں ہم نے اور بھی جتنے حسین لوگ
سارے اسیرِ گردشِ لیل و نہار ہیں
سینچا ہے اپنے خون سے ہم نے چمن چمن
ہم ہی وطن کے پھول ہیں، ہم ہی بہار ہیں
آتی ہے اِن سے باس مرے خُونِ گرم کی
یہ گُل کھِلے ہوئے جو سرِ شاخسار ہیں
رستے تراش لیں گے نئی منزلوں کے ہم
پُختہ اگر ہو عزم تو رستے ہزار ہیں
رکھتے ہیں اپنے دل میں بُتوں سے یہ رغبتیں
شیخانِ شہر کتنے عبادت گذار ہیں
وہ دن بھی تھے کہ زخمِ محبّت تھے بارِ دل
اب زخمِ بے وفائی ہمیں سازگار ہیں
ہر شخص گُم ہے اجنبی چہروں کی بھیڑ میں
ہم اپنے دیس میں بھی غریب الدّیار ہیں
اب تک کھُلا نہ ہم پہ یہ نُکتہ کہ زیست میں
با اختیار ہم ہیں کہ بے اختیار ہیں
آہ وہ، استفادہ کی جس کو ہوں خواہشیں
ہم لوگ موسموں کی طرح ساز گار ہیں
انسانیّت کا درد بھی دل میں ہے یا نہیں؟
مانا کہ آپ زاہدِ شب زندہ دار ہیں
کہہ دو عُدو سے ہم نہیں کُچھ تارِ عنکبوت
فولاد سے بھی سخت وطن کا حصار ہیں
آئیں ہمارے باغ میں اغیار، کیا مجال
ہم تیغِ شُعلہ بار ہیں، دشتِ چنار ہیں

احمد نوید

کبھی تو سوچنا تم نے یہ کیا کیا لوگو
یہ تم نے کس کو سرِ دار کھو دیا لوگو
ہوائے بغض و خباثت چلی تو اپنے ساتھ
اُڑا کے لے گئی انصاف کی قبا لوگو
دیا تھا صبحِ مسرت نے اک چراغ تمہیں
اسی کو تم نے سرِ شام کھو دیا لوگو
مسافتوں کے سوا ان کو کچھ نہیں ملتا
سفر میں ساتھ نہ ہو جن کے رہنما لوگو
سلا دیا جسے زنداں میں تم نے موت کی نیند
جگائے گی اسے حالات کی صدا لوگو

ڈاکٹر الیاس عاجز

رکھتی ہے عقل پیر بھی رستے ٹٹول کر
دشتِ جنوں میں عشق پھرے سینہ کھول کر
اک بات میری آج سے تم پلّے باندھ لو
کہنا ہے جو بھی کہہ دو مگر پہلے تول کر
تاخیری حربے ٹھیک نہیں اتنے عشق میں
اقرار کر تو بات کو اتنا نہ گول کر
جو غائبانہ بھی کرے اُلفت تمھارے ساتھ
دل توڑنا نہ اُس کا کبھی کڑوا بول کر
زندہ رہے گا دنیا میں عاجزؔ وہ مر کے بھی
پی جائے گا جو زہر بھی امرت میں گھول کر

آصف جاوید

ضرورتوں کے مسافر اِدھر اُدھر جاؤ
بغرضِ زندگی چاروں طرف بکھر جاؤ
مزاقِ شاعری اکثر بگاڑ دیتا ہے
وگرنہ مشقِ سخن ہے کہ تم سُدھر جاؤ
بھلے میں کہہ رہا ہوں بچو زمانے سے
مری بلا سے اب آگے جیو کہ مر جاؤ
تمھارے منہ سے یہ سن کر عجیب لگتا ہے
بگڑ کے کہتے ہو جب اٹھو اپنے گھر جاؤ
جراحتوں کے ہنر ہو گئے نا سب ناکام
یہ زخمِ دل نہیں بھرنے کا چارہ گر جاؤ
حضور شکریہ چپ چاپ اُتر گئے دل سے
اِسی سلیقے سے اب سر سے بھی اُتر جاؤ

قصورواِرِ محبت امر ہو جاتے ہیں
سو اہتمام سے تختۂ دار پر جاؤ
تمھاری سوچ ہے جیسے تمھیں بھلائی لگے
زمیں پہ دھول اُڑاؤ کہ چاند پر جاؤ
کسی کی یاد کی بارش تو آج کُھل کے ہوئی
نہالِ درد خدا کیلئے نکھر جاؤ
خیالِ یار وہ تابانیاں کہاں اب کے
یہی بہت ہے کہ تھوڑا بہت سنور جاؤ
کہاں کہاں نہیں ویرانوں میں پھرے جاوید
تو میرے پاس بھی دو چار دن ٹھہر جاؤ

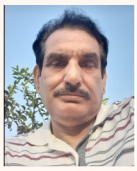

شاہد سلیم لاہور

اب اور کوئی زخم سہا جاتا نہیں
وہ کیونکر میرا دِیا بُجھا جاتا نہیں
کوئی وعدہء وفا کیوں دِل میں بسے
پہلے ہی خوفِ ستمِ جفا جاتا نہیں
محرمِ نو پُر کرنے سے ہے قاصر
کبھی تیرے عدم کا خلا جاتا نہیں
تمہیں چاہتے ہیں تم سے ہے محبت
فقط یہی جملہ تو کہا جاتا نہیں
ابھی کچھ روز چکھ ذائقہ تہمتوں کا
راتوں رات تو نام کمایا جاتا نہیں
کوئی میرے مدار میں ساتھ چلتا رہے
میں کبھی ساتھ اپنے تنہا جاتا نہیں
ساقی اُس وقت تک مئے پلائے جا
جب تک میں ہو رُسوا جاتا نہیں
نہ ہچکچا ذرا بھی کارِ ستم سے شاہد
روایتِ ازل کو یونہی بدلا جاتا نہیں

عبدالحمید عدم

وہ جو تیرے فقیر ہوتے ہیں
آدمی بے نظیر ہوتے ہیں
دیکھنے والا اک نہیں ملتا
آنکھ والے کثیر ہوتے ہیں
جن کو دولت حقیر لگتی ہے
اُف! وہ کتنے امیر ہوتے ہیں
جن کو قدرت نے حسن بخشا ہو
قدرتاً کچھ شریر ہوتے ہیں
زندگی کے حسین ترکش میں
کتنے بے رحم تیر ہوتے ہیں
وہ پرندے جو آنکھ رکھتے ہیں
سب سے پہلے اسیر ہوتے ہیں
پھول دامن میں چند رکھ لیجے
راستے میں فقیر ہوتے ہیں
ہے خوشی بھی عجیب شے لیکن
غم بڑے دل پذیر ہوتے ہیں
اے عدمؔ احتیاط لوگوں سے
لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں

تابش رامپوری ممبی

نظروں سے گرے دل سے اُتر کیوں نہیں جاتے
ٹوٹے ہوئے رشتے ہیں بکھر کیوں نہیں جاتے
عاشق ہیں تو عاشق کی طرح عشق کے مارے
مجنوں کی طرح حد سے گزر کیوں نہیں جاتے
اس شہر میں بدحال ہیں پھر بھی یہ مسافر
میں سوچتا ہوں گھر ہیں تو گھر کیوں نہیں جاتے
اس پار سے اس پار میں دوری نہیں پھر بھی
تکلیف ادھر ہے تو ادھر کیوں نہیں جاتے
مسجد سے انہیں کیا ہے شکایت نہیں معلوم
جانا بھی ضروری ہے مگر کیوں نہیں جاتے
یہ آئینے بھی سوچ رہے روزِ ازل سے
چہروں کی طرح دل بھی سنور کیوں نہیں جاتے
میخانے بھی خالی ہوئے اس شہر کے تابش
پیمانے طلب والوں کے بھر کیوں نہیں جاتے

آفتاب شاہ

قید میں رسموں کی جکڑے ہیں دیوانے کیسے
بند ہیں خواب کواڑوں میں بیگانے کیسے
دل یہ کہتا ہے تیرے ساتھ ہی چلتا جاؤں
وصل کے آتے ہیں مجھے یاد زمانے کیسے
ہجر میں کون تجھے پہلی سی محبت بانٹے
جائے گا دل یہ بھلا تجھ کو منانے کیسے
زہر میں ڈوبے ہوئے لہجوں کے تمنائی سے
لوگ ہیں بیٹھے میرے ساتھ نہ جانے کیسے
پڑھنے والوں سے یہ کیسے پڑھے جائیں گے
لکھنے والے نے لکھے ہیں یہ فسانے کیسے
عشق میں مجنوں ہے کوئی تو کوئی لیلی ہے
ملتے ہیں عشق میں میری جان خزانے کیسے
آنکھ چھلکتی ہے پتہ لے تُو دلِ ناداں کا
دل یہ کہتا ہے سنا دوں میں ترانے کیسے
ملنے کی بات پہ میری جان دغا دیتے ہو
پیار تو پیار ہے پھر اس میں یہ بہانے کیسے

اظہر

یوں گم ہوا اسلام تیرا اگر ظاہر کی آنکھ سے
آ اک بار کرا دوں سیر تجھے کافر کی آنکھ سے
شبِ وصل مجھے ملا ہے توں کہ جیسے خوشبوئیں آ ملی
سارا سفر بہہ گیا ہے فرطِ طرب مسافر کی آنکھ سے
پھولوں کی زمین پہ تم نے میرا میرا پنجرہ رکھ دیا
اور کہا محسوس کرو خوشبو چمن آزاد طائر کی آنکھ سے
پھول بن کے ملو گے سب سے اغیار ہو کہ عدو
دوست دیکھ لو اگر تم جہاں کسی شاعر کی آنکھ سے
یاقوت نہیں ہے کوئی آنکھ تیری کسی نیلم کی کھوج میں
سینے میں کسی کا دل بھی ٹوٹ لیتے ہو سوداگر کی آنکھ سے
احسان ہے زندگی تیری خدا کا ہر لمحے کر نثار
برابر کی آگ ہیں اظہر برابر کر برابر کی آنکھ سے

منظور احمد بزمی

جن سے چوٹ لگتی ہے جگر میں چھید ہوتے ہیں
وہ باتیں یاد رہتی ہیں فسانے بھول جاتے ہیں
کمانیں ہر جگہ بے درد گھاو دے نہیں سکتیں
نظر اپنوں پہ پڑتی ہے نشانے بھول جاتے ہیں
چمن ویران کر کے جانے والے کب پلٹتے ہیں
نئے آنگن میں وہ پچھلے ٹھکانے بھول جاتے ہیں
تیری دانش عقل علم وفہم سب عبث ہے ناصح
گر اپنوں پر نوازش اور بیگانے بھول جاتے ہیں
اگر سچی عقیدت ہو تو آ کے روبرو ان کے
سچائی پھوٹ پڑتی ہے بہانے بھول جاتے ہیں
شب ہجر کی ہو یا وصال یار کی بزمی
وہی سونے نہیں دیتی زمانے بھول جاتے ہیں

محمّد عبدالباری

جب سے پہرے لگے اذانوں پر
ہم بھی دینے لگے مکانوں پر
گھر بھی مسجد بنا لیا ہم نے
اور مصلّے بھی ہیں دکانوں پر
وہ ہی اللہ ہے دیکھتا سب کچھ
ہے نظر اسکی سب شیطانوں پر
وہ ہی مالک ہے آسمانوں کا
وہ ہی حاکم ہے سب جہانوں پر
کر کے خوف خدا عبادت کر
بول اچھے ہی لاؤ زبانوں پر
چھوڑ شیطان کی خدا کی سن
کر لو غلبہ سبھی جہانوں پر

آفتاب شاہ

ضبط کے اشک دبائے ہیں ترے ہونے پر
چاند ہجرت کے مہینوں میں بہت رَویا ہے
ہر گھڑی سوچ کو باندھا ہے تری یادوں سے
ہر گھڑی یاد کو اشکوں سے تری دھویا ہے
وصل کی چاہ میں دیکھے ہیں زمانے کتنے
کتنی صدیوں سے یہ مجنوں نہ ترا سویا ہے
کس نے سازش کی زمینوں پہ ہیں کاٹی فصلیں
زہر کا بیج بتا کس نے یہاں بویا ہے
ہم نے بیلوں کو نہیں باندھا ذرا غور کرو
رزق نے باندھ کے انساں کو یہاں جویا ہے

عاصی صحرائی

میرے سامنے تم رہا کرو
یو نہی دور مجھ سے نہ رہا کرو
جو پیار نہ کر سکے تو کیا ہوا
تم خوشی سے کوئی ضد کیا کرو
مجھے قبول ہے مری راحتِ جاں
وہ دُکھ جو مجھے عطا کرو
میں سنوں گا بڑے شوق سے
مری غلطیاں جو بیاں کرو
میں پیار ہوں مجسم گلاب ہوں
عین الیقین سے مجھے سونگھا کرو
میں فقیر ہوں تری دہلیز کا
خداداد پیار سے مجھے کچھ دیا کرو
یوں گزر جائے باہم زندگی
عاصیؔ اپنے ربّ سے تم دُعا کر

***

جب جاگتا ہوں سوچتا ہوں جانے کہاں ہوں
الم مرے خواب و تخیّل میں نہاں ہے
اک سوچ ترے وصل میں بوڑھی نہیں ہوتی
اک سوچ ترے وصل کی چاہت میں جواں ہے
میں آسماں کو ہاتھ میں اس طور لپیٹوں
سب مجھ کو کہیں تجھ پہ تجلّی کا سماں ہے
چاہت تو فقط اتنی ہے ہم سب کو یہاں پر
درپیش بلندی نہیں فرسودہ مکاں ہے
اک خوبرو پوشاک پہن لینی ہے عاصیؔ
پھر جسم نے کہنا ہے یہی سارا جہاں ہے

***

دشتِ سخن میں شوخیٔ تحریر تار تار
کر دوں گا میں زمانے کی تصویر تار تار
ہم کو سکون و چین میسر یہاں ہو تب
ہو جائے گر ہماری بھی تقدیر تار تار
فوراً پرندگان مرا جال لے اُڑے
فوراً سے ہوگئی مری تدبیر تار تار
اس وجہ میں شکست سے دو چار ہو گیا
میدانِ جنگ میں ہوئی شمشیر تار تار
اپنی گھٹن کی شہ پہ تو زندان توڑ دے
کر ڈال اب غلامی کی زنجیر تار تار

***

شعر آمد کے ساتا ہوں میں آوردہ بھی
کبھی خوش رنگ مگر ساتھ میں فرسودہ بھی
بزم چھائی ہوئی ہے خالی دماغوں سے تبھی
عقل جاتی ہے وہاں بیٹھ کے موجودہ بھی
کھیل جاتے ہیں مرے دل سے محبت کے محب
اور کبھی توڑ ہی جاتے ہیں مرا کعبہ بھی
تو مقابل نہیں آسکتا مرا دعویٰ ہے
میں شکستہ نہیں ہو سکتا مرا دعویٰ بھی
مجھ کو ملزم نہ بنا اور توجہ سے سن
پورا کر دوں گا کبھی مل،میں، مرا وعدہ بھی
اپنے دشمن کو میں جب دیکھتا ہوں ہنستا ہوں
دیکھتا ہوں کہ وہ شاطر ہے مگر سادہ بھی

***

اکرام یوں کیا ہے محبت کے باغ کا
بوسہ لیا ہے چہرے پہ کالے سے داغ کا
پیاسا ہو اور عقل سے بھر پور ہو کوئی
ڈھونڈا تو ایک نام ملا صرف زاغ کا
اُلفت کے دور میں تو ضروری ہے دل فقط
اس میں نہیں ہے کام کوئی بھی دماغ کا
صورت حسین تر، سی بنانی ہے قیس کی
منظر نگار کھینچنا منظر جو راغ کا
خوش ہوں شرابِ عشق کی مجلس میں عشق نے
میری طرف ہی چہرہ بڑھایا ایاغ کا
پھر بھی یہاں ہے روشنی شب میں مگر ہے کیوں
چہرہ بجھا دیا ہے اگرچہ چراغ کا

نامعلوم

تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں،
مرے دل سے بوجھ اُتار دو
میں بہت دنوں سے اُداس ہوں
مجھے کوئی شام اُدھار دو
مجھے اپنے رُوپ کی دھوپ دو
کہ چمک سکیں مرے خال و خد
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو،
مرے سارے زنگ اُتار دو
کسی اور کو مرے حال سے
نہ غرض ہے کوئی نہ واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو،
میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو
مری وحشتوں کو بڑھا دیا ہے
جدائیوں کے عذاب نے
مرے دل پہ ہاتھ رکھو ذرا
مری دھڑکنوں کو قرار دو
تمہیں صبح کیسی لگی،
مری خواہشوں کے دیار کی
جو بھلی لگے تو یہیں رہو
اسے چاہتوں سے نکھار دو
وہاں گھر میں کون ہے منتظر
کہ ہو فکر دیر سویر کی
بڑی مختصر سی یہ رات ہے
اسی چاندنی میں گزار دو
کوئی بات کرنی ہے چاند سے
کسی شاخسار کی اوٹ میں
مجھے راستے میں یہیں کہیں
کسی کنج گل میں اُتار دو

بہزاد لکھنوی

اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لیے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے
کشتی کو خدا پر چھوڑ بھی دے، کشتی کا خدا خود حافظ ہے
مشکل تو نہیں ان موجوں میں بہتا ہوا ساحل آ جائے
اے شمع! قسم پروانوں کی، اتنا تو مری خاطر کرنا
اس وقت بھڑک کر گل ہونا جب بانیٔ محفل آ جائے
اس جذبہ دل کے بارے میں اک مشورہ تم سے لیتا ہوں
اس وقت مجھے کیا لازم ہے جب تم پہ مرا دل آ جائے
اے راہبرِ کامل! چلنے کو تیار تو ہوں بس یاد رہے
اس وقت مجھے بھٹکا دینا جب سامنے منزل آ جائے
اس عشق میں جاں کو کھونا ہے، ماتم کرنا ہے، رونا ہے
میں جانتا ہوں جو ہونا ہے، پر کیا کروں جب دل آ جائے
ہاں یاد مجھے تم کر لینا، آواز مجھے تم دے لینا
اس راہِ محبت میں کوئی درپیش جو مشکل آ جائے
اب کیوں ڈھونڈوں وہ چشمِ کرم، ہونے دے ستم بالائے ستم
میں چاہتا ہوں اے جذبہ غم، مشکل پسِ مشکل آ جائے
اے برقِ تجلّی کیا تُو نے مجھ کو بھی موسیٰ سمجھا ہے؟
میں طُور نہیں جو جل جاؤں، جو چاہے مقابل آ جائے
اے دل کی لگی! چل یونہی سہی، چلتا تو ہوں ان کی محفل میں
اس وقت مجھے چونکا دینا جب رنگ پہ محفل آ جائے

***

انڈیا۔ پاکستانی بے قابو شادیاں

(ممتاز ملک۔فرانس)

پاکستان میں اپنی اولاد کی شادی کا موقع کسی بھی انسان کے لیئے خوشی سے زیادہ پریشانی اور ڈپریشن کا موقع بن چکا ہے۔منہ مانگی رسمیں اور پھر ان رسموں کا بوجھ اکثر لڑکی والوں کے سر منڈھ دیا جاتا ہے، پھر پانی کی طرح ان رسموں کو پورا کرنے کے لیئے پیسہ بہایا جاتا ہے۔لڑکے والوں کی اکثریت مصنوعی زیورات پر سونے کا پانی چڑھا کر اور مانگے تانگے کے ایسے ملبوسات کا بکسہ اٹھائے لڑکی کے سر سوار ہو جاتے ہیں جو کھلنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس میں سے کون سا کپڑا پہننے لائق ہے۔کونسا لڑکے کی باجی نے اپنا مسترد کردہ یا استعمال شدہ جوڑا بھائی پر قربان کیا ہے، اور کونسا لڑکے کی امی جی کی اپنی شادی کے وقت کا تیس سال پرانا نمونہ لڑکی کو جبرا پہنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔اور لڑکا بھی بڑی بے شرمی کے ساتھ یہ سارا بری ڈرامہ اسی طرح دیکھ رہا ہوتا ہے جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کیئے پڑا ہوتا ہے۔یہ بھول کر کہ یہ سوغاتیں جب وہ لڑکی (جو اسکی دلہن بنکر آ رہی ہے) جب دیکھے گی تو ساری عمر اس کی مٹی پلید کرتی رہے گی۔گویا وہ سیج تک پہنچنے کا خواب پورا کرنے کے لیئے اندھا دھند اپنی ماں بہنوں کی تقلید میں دنبے کی طرح سر جھکائے ہاں جی، ہاں جی، کی جگالی میں مصروف رہتا ہے۔یہاں تک کہ آنکھ کھلنے کے بعد شروع ہوتی ہے اسکی تاحیات ''بے عزتی''۔تب مائیں بہنیں پھر اپنے مٹھو کو پٹی بازی کی چوری کھلاتی ہیں کہ ہائے ہائے ہمارے بھائی کے تو نصیب ہی جل گئے جو ایسی منہ زور بدتمیز لڑکی بیاہ لائے۔اس وقت ان زبان دراز عورتوں کو یہ ہرگز یاد نہیں رہیگا کہ اس لڑکی کے ارمانوں بھرے دن پر جو آپ نے اپنی جوتھن، دھوکے اور کمینگی کی جھاڑو پھیری ہے اسے تو اب ساری عمر برداشت کرنا ہی پڑیگا آپکو بھی اور آپکے بھائی اور بیٹے کو بھی۔اس کے بعد شروع ہوگا لڑکی کی جانب سے ملے تحائف میں کیڑے نکالنے کا سلسلہ۔یوں جیسے انہوں نے تحفے نہیں دیئے بلکہ انکے آگے پیسے لیکر کوئی سودا بیچا ہے جو ناقص نکل آیا ہو۔اس کے باوجود کہ اعلان کر دیا گیا کہ لڑکی کے گھر والوں کو دینے دلانے کی کوئی تمیز نہیں۔انکا انتخاب بھی بیحد گھٹیا ہے لیکن بے شرمی ہے کہ ہر چوتھے دن کوئی نئی رسم گھڑ کر اس کے نام پر فقیروں کی طرح نئے تحائف کا فرمائشی پروگرام جاری کر دیا جاتا ہے۔بیٹی دیکر پاکستان میں لوگ گویا اپنی جان ان سسرالیوں کے ہاتھوں سولی پر چڑھا لیتے ہیں۔آئے روز انکی کسی نہ کسی بہانے اب دعوتیں ہوتی رہنی چاہئیں۔جن میں ہر بار کوئی نہ کوئی نئی فسادی شرلی چھوڑی جاتی رہے گی۔

ان تمام مسائل کا حل نکالنے کے لیئے ہماری حکومتوں کو مستقل بنیادوں پر قانون سازی کی ضرورت ہے۔جسے کسی بھی حکومت کے آنے یا جانے سے کوئی فرق نہ پڑے اور اس میں کسی تبدیلی کو اس وقت تک منظور نہ کیا جائے جب تک اس پر کوئی حقیقی قومی سروے نہ کروا لیا جائے۔اس پر عوامی بحث مباحثہ نہ کروا لیئے جائیں۔خدا کے لیئے شادیوں کو کسی قانون کے تحت لایا جائے جس نے عام آدمی کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔گھروں میں بیٹھی لڑکیاں لڑکے یا تو بوڑھے ہو رہے ہیں یا پھر بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں۔اور تو اور شادی کے یادگار دن کو بے قابو طوفان مہنگائی و بے حیائی کا موقع بنا دیا گیا ہے۔لوگ قرض لے لیکر اس موقع پر اپنی ناک اونچی رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔دیکھا جائے تو خود لڑکیوں نے لمبے لمبے فرمائشی پروگرام بنا بنا کر، لمبے لمبے خرچوں کی فرمائشوں سے اپنے ہی والدین کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ والدین یہ کب اور کہاں سے لائیں گے انہیں تو ڈراموں اور فلموں کی تھیمز پر اپنی شادی کو بھی پوری فلم ہی بنانا ہے۔کوئی انہیں بتائے کہ فلمی اور ڈرامے کی شادیوں کے مناظر پر خرچ کیا ہوا پیسہ انہیں ہزاروں گنا کما کر واپس ملتا ہے جبکہ عام شادی پر والدین کا خرچ کیا ہوا پیسہ انہیں کئی سال کے لیئے مقروض اور فقیر کر جاتا ہے۔اپنے والدین پر رحم کھائیں۔اور لوگوں کو اپنی جعلی امارت کے رعب میں ذہنی مریض بننے اور جرائم کی راہ اختیار کرنے پر مجبور مت کریں۔شادیوں کے اخراجات کو ایک حد میں لانے کے لیئے ہم حکومت پاکستان کو چند تجاویز پیش کرتے ہیں جس کے لاگو ہونے سے لوگوں کی زندگی کو کافی ریلیف ملنے کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔

۱۔شادی کو ٹوٹل سو سے ڈیڑھ سو لوگوں کے اجتماع تک محدود کر دیا جائے۔ ۲۔مخلوط محافل کو بین کیا جائے۔ ۳۔شادی میں دس سال سے چھوٹے بچے لانے پر پابندی لگائی جائے۔(جو تمام پروگرام اور انتظامات کا ستیاناس مار دیتے ہیں۔) ۴۔ون ڈش کی پابندی کروائی جائے۔

۵۔جہیز میں لڑکی کو اسکے لئے سات جوڑے،صرف اسکا بیڈروم فرنیچر اور کچھ کچن اور لانڈری کا لازمی سامان دیا جائے۔۶۔بری میں سات نئے اور بھاری جوڑے کپڑے لڑکی کے،حسب توفیق ایک آدھ سونے کا سیٹ زیادہ سے زیادہ دس ہزار روپے تک کا شادی اور ولیمے کا جوڑا دلہن اور دولہے دونوں کا۔۷۔آپ کتنی بھی مالی حیثیت رکھیں لڑکے والے بارات میں اور لڑکی والے ولیمے میں زیادہ سے زیادہ صرف 50 افراد ہی لا سکتے ہیں۔

۹۔شادی میں کرائے کے عروسی ملبوسات کو رواج دیا جائے۔

۱۰۔دولہے کی ماں بہنوں کو سونے کے زیورات تحفے میں دینے پر پابندی لگائی جائے۔۱۱۔نکاح مسجد میں کرنے کا رواج عام کریں۔اور نکاح میں صرف دولہا دلہن انکے والدین سگے بہن بھائی اور دو گواہوں کے سوا کسی کو شامل ہونے کی اجازت نہ ہو۔رخصتی کے روز باقی سبھی مہمانوں کے سامنے اس نکاح کی ویڈیو چلائی جاسکتی ہے۔۱۲۔شادی کے بعد کسی قسم کے تحائف کے لین دین جیسی تمام رسومات کو بین کیا جائے۔جسکے مواقع لڑکے والے آئے دن پیدا کرتے اور لڑکی والوں کی زندگی اجیرن بناتے رہتے ہیں۔جیسے کے مکلاوہ،عیدیاں،گود بھرائیاں، بچے کی پیدائش وغیرہ وغیرہ۔ہم امید کرتے ہیں کہ کوئی بھی بااختیار ان تجاویز کو غور کرنے اور لاگو کرنے میں اپنی ذمہ داری ادا کر کے بیشمار لوگوں کی دعائیں لینے کا وسیلہ ضرور بنے گا۔

حج کی روانگی پر۔امجد مرزا امجدؔ

ہو خوش نصیب کتنے جہاں جا رہے ہو
لٹتی ہے رحمت وہاں جا رہے ہو
سفر خوش نصیبوں کا ہے خوش نصیبو !
قسمت پہ اپنے جو اِترا رہے ہو
دعاؤں میں اپنی ہمیں یاد رکھنا !
دعاؤں کے مرکز جو تم جا رہے ہو
مبارک ہو حج کے مقدّس سفر کی
فرض تھا تم پہ جو نبھا رہے ہو
درِ مصطفیٰؐ پہ سلام میرا دینا
آقاؐ کے در پہ جو تم جا رہے ہو
قبول ہو تمہاری محبت یہ محنت
ادا کرنے دونوں جو تم جا رہے ہو
خدا پھر سے لے جائے ہم کو وہاں پر
درِ مصطفیٰ پہ جو تم جا رہے ہو
میری ہے دعا ہر کسی کے لئے یہ
بلائے وہ سب کو جہاں جا رہے ہو

ڈاکٹر منور احمد کنڈے،ٹیلفورڈ،

طرح مصرع:''اک زخم تھا خزاں میں گلِ تر بنا ہوا''

نفرت نے ڈھا دیا ہے وہ گھر بنا ہوا
تھا دل ہمارا عشق کا دفتر بنا ہوا
گھر سے مٹا سکا نہ اندھیرے ابھی تلک
غیروں میں جو ہے ماہِ منور بنا ہوا
رنگِ جہاں سے اُس کو کوئی واسطہ نہیں
یہ دل مِرا ہے مثلِ قلندر بنا ہوا
اِس دھوپ کے سفر سے پریشاں نہیں ہوں میں
احساس اُس کا سر پہ ہے چادر بنا ہوا
اُس کے سبب سے ملتی رہی تازگی ہمیں
''اک زخم تھا خزاں میں گلِ تر بنا ہوا''
مدت ہوئی شہادتِ شبیر کو مگر
آنکھوں میں اب بھی خوں کا ہے منظر بنا ہوا
صدیاں ہوئیں کہ اُس سے منوّر ملے نہیں
ہے اُس سے پھر بھی ربط برابر بنا ہوا

فدا مرزا

مسکراتا ہوا پرخلوص سا ہے اک بندہ
ہو جاتا ہے مردہ دل بھی دیکھ کر زندہ
نثر و شاعری میں بڑا ہے نام ان کا
درس و تدریس میں زندہ ہے کام ان کا
فدا ہیں ہم ان پر وہ ہم پہ فدا
تشریف لاتے ہیں جناب فدا مرزا فداؔ

آرنلڈ اور حالی کے تصورِ معاشرہ اور ادب کا تقابلی جائزہ

(تنقید و نقد الانتقاد مقالہ ایم فل) آفتاب شاہ

سیاست، شاعری اور معاشرہ

حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں جن موضوعات کو بطورِ خاص چنا ہے ان میں ایک سیاسی شاعری کا وصف بھی ہے۔ حالی نے سوسائٹی میں لکھنے والوں کے لیے جہاں مسائل کا ذکر کیا ہے وہیں پر وہ اصلاح کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

شاعری میں سیاست کے استعمال سے حالی نئے مضامین کی طرف تو اشارہ کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ سیاسی شاعری کا معاشرے میں کردار بھی متعین کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حالی نے اس مثال سے بتانا یہ چاہا ہے کہ قومیں اگر مردہ دل ہو جائیں تو ان کے شعراء کے لیے لازم ہے کہ وہ قوم میں اپنے اشعار سے نئی روح پھونک دیں لیکن یہاں پر یہ بات بھی اہم ہے کہ کیا یہ طریق ہر دور میں رواں رکھا جا سکتا ہے؟ کیا ہر شاعر ایسی شاعری کا دعوی دار ہوتا ہے کہ اثر انگیزی کی قوت رکھتا ہو؟ کیا موجودہ عہد میں شاعری کو بطورِ سیاسی اظہار استعمال کیا جا سکتا ہے؟ حالی کا یہ کہنا تو کسی حد تک درست ہے کہ سیاسی شاعری سے جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر فرد اس سے وہ ہی مطلب لے جو شاعر کے دل میں چل رہا ہے تو یہ ضروری نہیں ہی کیونکہ آفاقیت کی جڑیں اگر قومیت میں تلاش کی جائیں گی تو قوم بننے کے مراحل کافی دشوار ہوا کرتے ہیں اس لیے عہد قدیم تو اس سے باقاعدہ مستفید ہوتا رہا ہے۔ حالی مقدمہ شعر و شاعری میں کہتے ہیں۔ یورپ میں پولیٹیکل مشکلات کے وقت قدیم سے پوئٹری کو قوم کی ترغیب و تحریص کا ایک زبردست آلہ سمجھتے ہیں۔ ایتھنز اور مگارا والوں میں جزیرہ سیلمس کی بابت مدتِ دراز تک جنگ رہی۔ ایتھنز والوں کو برابر شکستیں ہوتی رہیں اور رفتہ رفتہ ان کا حوصلہ ایسا پست ہوا کہ ہمیشہ کے لیے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ ایتھنز کا مقننن سولن زندہ تھا۔ وہ دانستہ مجنوں بن گیا۔ اس نے کچھ دردناک اشعار لکھے اور پہاڑی پر چڑھ کر سنائے جس سے عوام میں حوصلہ ہوا جنگ جیت لی گئی۔

زمانہ قدیم میں شاعری کا یہ اصول جنگوں میں اس لیے کامیاب سمجھا جاتا تھا کیونکہ سننے والے کے پاس بات سننے کا حوصلہ بھی تھا اور قومیت کا جذبہ بھی غالب ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ فتح کی صورت میں بھی شاعری کے ذریعے جیت کی خوشی کو دوبالا کیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح شکست کی صورت میں تو شعراء پر اور بڑی ذمہ داری آن پڑتی تھی کہ وہ قوم میں غیرت اور عزت کی بحالی کو اپنے اشعار کا لباس بنا لیں جس کو پہن کر ہر فرد ایک سا نظر آئے۔ حالی کے اس نظریے کو اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک شکست خوردہ انسان کو اشعار کی طاقت سے یا اثر انگیزی سے لڑائی کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ اشعار جو قوم کے دل میں آگ لگا دیں ان کی اہمیت ہر دور میں یکساں رہتی ہے۔

لازم نہیں کہ جنگ کا میدان ہی ہو تو قومیت کا گیت یا نغمہ ہی ایک صف میں کھڑا کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ غلامی کی زنجیروں سے آزادی کی لڑائی تک اور جسمانی آزادی سے ذہنی آزادی تک شعری رویے تبدیلی کا شعور پیدا کرتے رہتے ہیں حالی کی اس بات کو تقویت موجودہ عہد کے ترقی پسند شعراء کی مقبولیت سے ملتی ہے۔ فیض احمد فیض اور حبیب جالب اس کی زندہ مثالیں ہیں جن کی شاعری کو ہر کامیاب جلسے اور جلوس کی کنجی سمجھا جاتا رہا ہے۔ حبیب جالب کو تو ان کی انقلابی شاعری کی بنا پر فیض احمد فیض سے بھی بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ گو کہ حالی کا نکتہ نظر سیاسی میدان تک محدود ہے لیکن سیاست کیونکہ اسی معاشرے سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اس کے اثرات عام فرد پر زیادہ وضاحت سے نظر آتے ہیں۔ حالی کے اس نظریے کا اطلاق اگر موجودہ عہد پر کیا جائے تو ملکِ پاکستان میں اس کی نظیر متعدد مواقعوں پر دیکھی جا سکتی ہے۔ پاکستان بنتے وقت شعراء کے کردار کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے خاص طور پر پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ نے تو عالمی شہرت حاصل کی۔ حریت اور آزادی کے متوالوں کے دلوں میں غیرت اور انقلاب کی وہ شمع روشن کی جس نے قیامِ پاکستان کے معجزے کو وجود عطا کر دیا۔ اقبال جیسے عظیم شاعر نے ترانہ ہندی لکھ کر وطن سے محبت اور سیاسی وابستگی کو شاعری سے جوڑنے کا کام کیا۔ حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان اور کتنے ایسے نام ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے ایک نیا ولولہ پیدا کیا۔ یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ 1965ء کی جنگ میں نور جہاں کے نغموں نے وہ سماں باندھا کے دشمن کو زیر کرنے کے لیے فوجی جوان دورانِ جنگ ان ہی نغمات کو سنتے تھے۔ ان نغمات میں اصل محرک تو وہ شاعری تھی جو ان کو وطن کے لیے جان دینے پر

آمادہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔اب یہاں پر حالی کی اس بات سے متفق ہونا لازم ہے کہ معاشرے میں شاعری کا پولٹیکل کردار نا صرف موجود ہے بلکہ اس سے کام بھی لیا جا سکتا ہے۔حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں۔ یورپ میں لوگوں نے شعر سے بہت بڑے بڑے کام لیے ہیں خصوصاً ڈریمٹک پوئٹری نے یورپ کو جس قدر فائدہ پہنچایا ہے اس کا اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔اسی واسطے شیکسپیئر کے ڈرامے جن سے پولیٹیکل ،سوشل اور مورل ہر طرح کے بیشمار فائدے اہلِ یورپ کو پہنچے ہیں۔یہ بائبل کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں بلکہ جو لوگ مذہب کی قید سے آزاد ہیں وہ ان کو بائبل سے بھی زیادہ سودمند اور فائدہ رساں خیال کرتے ہیں۔

شاعری کا سیاسی پہلو اس کو سودمند بناتا ہے لیکن ایسی شاعری اپنے مضامین کے اعتبار سے کیونکہ مقصدیت اور اصلاح کا چولہ پہنے ہوئے ہوتی ہے اس لیے ہر فرد اس سے حظ نہیں اٹھا سکتا۔حالی کی اس بات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ شاعری کو صرف مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔اب یہاں پر سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا انسانی نفسیات ہمیشہ دماغی کیفیات کو ایک جیسا رکھتی ہے؟اگر تو ایک جیسا رکھتی ہے تو تمام افراد ایسی شاعری سے لطف لینے کے لیے ہمہ تن گوش ہوں گے۔لیکن جب نفسیاتی طور پر انسان کی آزادروی کی حالت بدلاؤ کے خمیر سے گندھی ہوئی ہے تو پھر ایک ہی ذائقہ اور مہک کب تک ان کے دماغوں کو معطر رکھے گی۔پھر قوم کے مذاق اور مزاج کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔جب ایک قوم تفریح اور تسکین کا ڈھول گلے میں ڈال کر سوقیانہ اور بازاری شاعری پر بھی دھمالیں ڈالتی ہو تو وہ کیونکر سنجیدگی پر مائل ہوگی؟ حالی نے اس نظریے سے ایک تو یورپ کی علمی اور ادبی برتری کو تسلیم کیا ہے اور دوسرا وہ مفید ادب کے خواہاں ہیں ہندوستان کی ادبی فضا کیونکہ مخصوص روش پر چلنے کی وجہ سے مشہور یا بدنام تھی اسی وجہ سے حالی کے نزدیک شاعری کا معاشرے میں مثبت پیغام ہی شاعری اور سماج کو زندہ رکھنے کا کام کر سکتا ہے۔

معاشرہ اور شعری تاثیر:

شاعری کا تعلق جذبات اور احساس سے بندھا ہوا ہے اسی لیے جذبات عموماً عقل کے جہاں سے الگ جہاں تعمیر کرتے ہیں۔جہاں پر سوچ اور فکر کا چلن اتنا نمایاں نہیں ہوتا۔جذباتی کیفیات ہر انسان کے دل پر یکساں انداز سے بے شک اثر انداز نہ ہو لیکن کم یا زیادہ اثر انگیزی لازم نظر آتی ہے۔رومانوی مزاج کے لوگ ہمیشہ شاعری میں سے رومانیت کو تلاش کرتے نظر آتے ہیں جبکہ حقیقت پسند اور زندگی کے جبر سے آراستہ لوگ وہ ہی پسند کرتے ہیں جو ان کے دل کا عالم ہوتا ہے۔حالی کا کمال یہ ہے کہ وہ ان موضوعات کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں جہاں جذبوں کی سنی اور سنائی جاتی ہے۔

اختر انصاری حالی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مقدمہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے شعر و شاعری پر نہایت منظم، باقاعدہ اور منطقی انداز میں بحث کی ہے۔مطالب میں تجزیہ و تحلیل،تشریح و تفسیر اور ترتیب و تنظیم کے لحاظ سے کہیں پیچیدگی یا زولیدگی نہیں پائی جاتی۔شروع سے آخر تک پوری بحث ایک سلجھے ہوئے دماغ کی پیداوار معلوم ہوتی ہے اور منطقی استدلال کا بہت اچھا نمونہ پیش کرتی ہے۔''

حالی شعر کی خاصیت اور اثر انگیزی کے صرف قائل نہیں ہیں بلکہ وہ شعر کو قوموں کی زندگی میں تبدیل کا مظہر بھی سمجھتے ہیں۔عمومی طور پر شعر کو تفریح اور تسکین کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے اور واہ واہ کی جاتی ہے۔داد و تحسین کے بعد اس شعر کو ردی کی ٹوکری کی نظر کر دیا جاتا ہے۔یہاں تک کہ مشاعروں میں شعراء محض جیب گرم اور بیاض نرم کرنے جاتے ہیں۔حالی کے نزدیک شاعری محض وقت گزاری نہیں ہے بلکہ اس سے معاشرے کی اصلاح کا بھی لیا جا سکتا ہے۔وہ اصلاح جو معاشرے کے لیے ہر دور میں لازم ہے یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ حالی اس اصلاح کو صرف شاعروں تک محدود کیوں کر دیتے ہیں؟ شاید ان کے نزدیک شاعری کیونکہ ان کے عہد میں ابلاغ کا سب سے اہم ذریعہ تھی اس لیے اس کی اصلاح ضروری ہے کیونکہ شاعر جب حقیقت اور، واقعیت پر مبنی لکھے گا تو پڑھنے والے کے دل میں بھی وہی جذبات پیدا ہوں گے۔

مقدمہ شعر و شاعری میں حالی لکھتے ہیں:

''عرب کا مشہور شاعر میمون بن قیس جس کو نابینا ہونے کے سبب اعشیٰ کہتے تھے اس کے کلام میں یہ تاثیر ضرب المثل تھی کہ جس کی مدح کرتا ہے وہ عزیز و نیک نام اور جس کی ہجو کرتا ہے وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ایک بار ایک عورت اس کے پاس آئی اور کہا کہ میری لڑکیاں بہت

ہیں اور کہیں ان کو برنہیں ملتا۔اگر تو چاہے تو لوگوں کو شعر کے ذریعے سے ہمارے خاندان کی طرف متوجہ کرسکتا ہے۔اعشیٰ نے اس عورت کی لڑکیوں کے حسن و جمال اور خصائل پسندیدہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔جس کی بدولت ان لڑکیوں کی صورت اور سیرت کا چرچا تمام ملک میں پھیل گیا۔اور چاروں طرف سے ان کے پیغام آنے لگے۔لڑکیوں کی ماں جب کوئی لڑکی بیاہی جاتی تھی ایک اونٹ بطور شکریہ کے اعشیٰ کے واسطے ہدیہ بھیج دیتی۔''

اس مثال سے حالی نے شعر کی اہمیت اور تاثیر پر روشنی ڈالی ہے۔زمانہ قدیم میں جنگوں،آفات،دکھ،مصیبت،رزم وبزم کے معاملات میں شعری روایت کو مقدم رکھا جاتا تھا۔حالی نے زمانہ جاہلیت کے شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتانا چاہا ہے کہ شعر میں اتنی طاقت ہے کہ وہ سننے والے کا دل بدل دیتا ہے لیکن کیا موجودہ عہد میں یہ مثال اور روایت اسی طرح قائم ودائم ہے؟

اگر حالی کی اس مثال کا آج اطلاق کیا جائے تو بجائے ان لڑکیوں کے رشتے آنے کے وہ علاقے میں بدنام ہوجائیں گی کیوں کہ ہر عہد کے سماجی تقاضے ایک جیسے نہیں ہوتے اس لیے اس مثال کو ماضی میں تو ایک حد تک درست کہا جاسکتا ہے لیکن عہدِ حاضر اس روایت سے انکاری نظر آتا ہے۔دوسری بات کیا آج کا بڑے سے بڑا شاعر اتنا معتبر اور مستند ہے کہ اس کی کہی گئی بات پر ایمان کی حد تک یقین کیا جاسکتا ہے جب کہ معاشرے میں شعراء کو فارغ اور بے کار انسان سمجھا جاتا ہے؟ حالی کے اس نظریے کی صداقت میں زمانے کی تقسیم آڑے آجاتی ہے اگر آج کوئی شاعر کسی لڑکی کی تعریف کرے تو اس لڑکی کے. لیے پیغام تو دور کی بات پہلے تو شاعر صاحب پر ایف آئی آر درج کی جائے گی اور پھر اس کو علاقہ بدر کیا جائے گا۔اور عین ممکن ہے اس لڑکی کا رشتہ ہونے کی بجائے بدنامی کا ٹیکہ ماتھے پر داغ کی چپک جائے پھر یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ کیا زمانے کا چلن کسی شاعر کا کسی نیک نام کی لڑکیوں کے بارے میں لکھنا قابلِ قبول قرار دیتا ہے؟ اور عوامی سطح پر ایسی شاعری کیا پزیرائی سے بدنامی کی دلدل میں تو نہ جا اترے گی؟ حالی کے اس نظریے میں شاعر کے لیے انعام کا ذکر بھی ملتا ہے۔اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شاعر ادب کی خدمت کی بجائے اگر لوگوں کی خدمت کرے تو گھر کا چولہا آسانی سے چل سکتا ہے۔ایک طرف حالی کا یہ کہنا کہ شاعری مقصد کے تحت ہونی چاہئے اور دوسری طرف شاعری پر انعام کا ذکر دو متضاد باتیں ہیں گو کہ حالی کا نکتہ نگاہ یہ ہے کہ شاعر کی شاعری نے لڑکیوں کے رشتے پکے کروادیے لیکن ساتھ یہ بھی بتایا کہ ہر لڑکی کے رشتہ پکا ہونے پر اونٹ انعام دیا جاتا تھا اس سے غلط فہمی شعراء میں پیدا ہونا لازم ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ایسی شاعری کو فروغ دیا جائے جس سے انعام کی توقع بڑھ جائے گو کہ ہر شاعر داد کا طالب ہوتا اور انعام کا بھی خواہاں ہوتا ہے لیکن ایسی شاعری کیا حقیقی طور پر ادب کی خدمت کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہے؟ اس بات کی تائید ناظر کاکوروی کرتے ہوئے کہتے ہیں: حالی نے تجربات حیات کی روشن و واضح جگمگاتی شاہراہ ادب میں قائم کی۔اور کمال فن یہ ہے کہ معاصرین اس راہ کی بلندی و وسعت کو نہ سمجھ سکے۔اور نہ کسی بڑی حد تک بلند ہو کر ان کا مقابلہ کر سکے۔آنیوالی نسل عقیدتاً حالی کے حضور جھکی رہیں گی۔اور جس حد تک زمانہ کی تیز قدریں بدلیں گی حالی کی عظمتِ صالحہ کا سکہ ان کے قلوب پر ثبت ہوتا رہے گا۔''

اس لیے حالی کے اس نظریہ پر اعتراض اس لیے بھی بنتا ہے کہ حالی نے اسے مستقبل کو مدِ نظر رکھ کر پیش نہیں کیا۔زمانہ قدیم میں جب لوگوں کے پاس میڈیا،فیس بک،واٹس ایپ اور جدید ٹیکنالوجی نہیں تھی تب ایسی شاعری کا چلن کہیں کہیں کامیاب کہا جاسکتا تھا لیکن موجودہ عہد میں شعر کی تاثیر وقتی جذبے سے بندھی ہے کیونکہ ترجیحات کی تبدیلی نے انسان کو شعر شناسی سے کوسوں دور کردیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں حالی نے اس میدان میں قدم رکھا جہاں پر اس سے پہلے کوئی ارادتاً یا عقیدتاً نہیں گیا یا پھر علمی استعداد نے اس میدان سے کنارہ کشی کروادی ہو۔حالی کے اسی اندازِ بیاں نے ایک زمانے کو متاثر کیا ہے۔ان کے حق میں یا خلاف جتنا بھی لکھا گیا اس میں ایک بات تو واضح تھی کہ حالی کے قلم نے مضامین ممنوعہ کا طواف کر کے عقل وخرد کی چنگاری کو اس طرح روشن کیا کہ آج بھی اس کی لو سے کند قلم رواں ہوجاتے ہیں۔

معاشرتی ناشائستگی اور شاعری کا عروج:

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی معاشرہ عقلی،فکری،تعلیمی اور تہذیبی طور پر ترقی کی منازل طے کرتا ہے تو اس کے ہر میدان میں ترقی کے

رنگ نکھرنا اور بکھرنا شروع ہوجاتے ہیں۔ترقی یافتہ اقوام کا ذخیرہِ ادب ان کی آب و تاب اور چمک دمک کے نتیجہ میں شہرت اور کامیابی کے آسمان پر چمکتا ہے حالانکہ اس نظریے سے نہ صرف اختلاف کرتے ہیں بلکہ وہ اس کے برعکس نظریہ پیش کرتے ہیں۔حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں: شاعری کی نسبت جو رائیں زمانہِ حال کے اکثر محققوں نے قائم کی ہیں ان کا جھکاؤ اس طرف پایا جاتا ہے کہ سویلزیشن کا اثر شعر پر برا ہوتا۔

عاشرہ اخلاقیات اور شعر کی عظمت:

کسی بھی فرد کا اخلاق اصل میں اس فرد کی بنیادی پہچان بن جاتا ہے اور عوام میں وہ فرد اپنے طور طریقوں سے ایک با اخلاق انسان کے طور پر مشہور ہوجاتا ہے۔اخلاقیات کا تعلق ایک طرف تو مذہب کے بنیادی اصولوں سے جڑا ہے اور دوسری طرف معاشرہ اخلاقیات کے معیارات کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔حالی کیونکہ مقصدی شاعری کے خواہاں تھے اس لیے ان کے نزدیک وہ شاعری ہی معاشرے کے لیے مفید ہے جو جذبات کو ایک مخصوص دائرہ کار میں سمیٹ کر رکھے۔حالی شعر سے ہر وہ ممکن کام لینے کے خواہشمند ہیں جس سے ہر طبقہ ذہنی اور دلی طور پر شعری کاوشوں سے پاکیزہ ہوجائے۔اول تو شعر کی تاثیر میں ایسا کمال تب ہی دکھ سکتا ہے جب پڑھنے والا کسی خاص حالت میں مبتلا ہو۔دوسرا شعر کہنے والا اس حالت کو اس طرح بیان کرے کہ یہ گمان گزرے کہ یہ تکلیف یا درد ہمارا ہے۔یہی بات اخلاق اور حسن اخلاق کے حوالے سے کہی جاسکتی ہے۔شاعری کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے کہ جس سے مختلف افراد میں اخلاقیات کو زبردستی بھر دیا جائے یہاں تک کہ صوفیاء کے دور میں بھی شعری محافل اور سماں کی محافل کا اتنا ہی اثر ہوتا تھا کہ لوگ وقتی جوش اور جذباتی کیفیات سے مغلوب ہوکر رقص پر آمادہ ہوجاتے یا با آو لکھتے ہیں: شعر سے نفسانی جذبات کو اشتعاک ہوتی ہے۔اسی طرح روحانی خوشیاں بھی زندہ ہوتی ہیں اور انسان کی روحانی اور پاک خوشیوں کو اس کے اخلاق کے ساتھ صریح تعلق ہے۔شعر اگرچہ براہ راست علمِ اخلاق کی طرح تلقین و تربیت نہیں کرتا۔لیکن از روئے انصاف اس کو علمِ اخلاق کا نائب مناب اور قائم مقام کہہ سکتے ہیں۔

حالی نے یہ استدلال حقیقت میں صوفی ازم سے اخذ کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگرچہ شعر اخلاق کی طرح علمی رنگ نہیں رکھتا لیکن سماع کیونکہ صوفی ازم میں جائز ہے اور وہ جزو اعظم کہلاتا ہے اور تزکیہ نفس کے لیے بابرکت مانا جاتا ہے اس لیے شعر کو اخلاقی حالت کا ذمہ دار قرار دینا چاہئے۔حالی اصل میں شعر اور شاعری کو بھی مذہبی لباس پہنانا چاہتے ہیں ورنہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہر فرد قوالی سننے والا بھی ہو اور قوالی اور سماع سے حظ اٹھانے والا بھی ہو؟ کیا معاشرے کا ہر فرد اپنے اخلاق کی درستی کے لیے شاعری پڑھنا اور سیکھنا شروع کردے؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ کسی فرد کی نیکی اور تزکیہ کے لیے قوالی کے چند الفاظ دل کی تبدیلی کا سبب بن جائیں؟ اخلاق اصل میں اس تربیت سے جڑا ہے جو معاشرتی عمل سے وابستہ ہے۔یہ تربیت گھر سے مدرسہ اور مدرسہ سے ان احباب تک وسعت رکھتی ہے جن کے اثرات جابجا زندگی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔مذہب کا بھی اثر ایک انسان پر گہرا نظر آتا ہے کیونکہ مذہب نیکی اور بدی کے فلسفے کو معاشرے میں توازن کی لڑی میں پروکر سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔حالی کیونکہ اپنے اس نظریے سے زبردستی شاعری کو اخلاق کے دامن سے جوڑنا چاہتے ہیں اس لیے ان کی بات کو تب تک درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک معاشرے میں اس مثال کے عملی مظاہرے نظر نہیں آتے۔شعراء کرام کی اکثریت ان اخلاقی پیمانوں کو تسلیم ہی نہیں کرتی جس کو حالی بیان کر رہے ہیں۔صوفیاء کی محافل کیا اس کی دلیل ہوسکتی ہیں؟ یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان محافل میں شاعری کا چلن دل کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے برتا جاتا ہے لیکن یہ کہنا کہ ان محافل کے بعد ہر فرد با اخلاق ہوجائے گا خلافِ عقل اور خلافِ قانون فطرت ہے۔حالی کے اس نظریے کے مطابق ہر شاعر کو ایسی شاعری کرنی چاہیے جو اخلاقی رنگ رکھتی ہو جو دل کو نرم کرتی ہو اور شعری تقاضوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے تقاضے بھی پوری کرتی ہو لیکن معاشرتی سطح پر یہ بات قابلِ عمل نہیں ہے۔پھر جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے معاشرتی رویے بھی تبدیلی کے عمل سے گزرتے جاتے ہیں۔آج کے دور میں نہ تو صوفیاء کی مجالس کا زمانہ قدیم سے موازنہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی محفلِ سماع کو تزکیہ نفس کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔اب جبکہ میڈیا کا طاقتور

جن ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے کر غلط کو درست اور درست کو غلط دکھا رہا تو قوالی جیسی صنف کو بھی عالمی فروغ ملنا چاہئے اور ٹی۔وی پر قوالی چلتے ہی ہر فرد کو اخلاقیات کا مبلغ بن جانا چاہئے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوتا بعض لوگ تو سماع کا نام سنتے ہی اٹھ کر چل دینے میں عافیت سمجھتے ہیں اور کیا ادب تسکین کے دور میں شعر اخلاق کا پرچارک بن سکتا ہے تو یہ مشکل ہی نہیں ناممکن سی بات نظر آتی ہے۔شعری رنگ بہت سے دوسرے جذباتی رویوں کی طرح عارضی رنگ رکھتا ہے۔جس طرح ایک خطیب جب خطبہ دیتا ہے تو وہ حالت ہر شخص پر یکساں اثر نہیں رکھتی ایک شاندار خطیب کی سنجیدگی اور بولنے کی مہارت سننے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ایک بہترین جوکر اور کامیاب کامیڈین اپنی غیر سنجیدگی سے دیکھنے اور سننے والوں کو اتنا متاثر کرتے ہیں کہ لفظوں کے چناؤ اور برتاؤ سے چہروں کے رنگ بدل دیتے ہیں۔وہ دلوں کی کیفیات اس طرح تبدیل کرتے ہیں کہ انسان وقتی طور پر ہی سہی دنیا کو بھول کر ان کی گفتگو میں محو ہو جاتا ہے لیکن اگر جوکر سنجیدہ ہو جائے اور خطیب مزاح کا چولہ پہن لے تو ہنسنے والا مسکراہٹ چھوڑ دے گا اور نصیحت سمیٹنے والا اپنا دامن کو گریز پا کا سبق دیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوگا۔یہی قانون انسان کی شخصیت سے جڑا ہوا ہے روپ کوئی سا بھی ہو اگر یک رنگی نہیں ہوگی تو بہروپ بکھر جائے گا اور اگر دنیا کو اپنے سحر میں جکڑنا ہے تو نہ اترنے والا چولہ پہننے پڑے گا ورنہ شخصیت کے داغ جینے نہیں دیں گے۔اب جو روپ ایک رنگ میں مستقل نظر نہ آئے تو اس کی کیفیت کس طرح ہمیشہ اثر کرتی ہوگی؟ اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صوفیاء کی مجالس سے اٹھ کر گھر آنے والا فرد کیا انہیں اشعار کے زیرِ اثر تمام عمر گزار دیتا ہے؟ سب سے اہم سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ چند افراد پر کیا گیا تجربہ کیا پورے معاشرے کے چلن کی وضاحت کرسکتا ہے؟ اور تجربہ بھی صرف اندازے پر مبنی ہو؟ تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔شاعری کیونکہ سائنس نہیں ہے اس لیے جذباتی کیفیات کے لیے جو پیمانے حالی وضع کرتے ہیں ان کی حیثیت محض خیال سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔اس کا معاشرتی اطلاق ایک دو فرد تک سچ ثابت ہو بھی جائے تب بھی شاعری اخلاق کی جگہ نہیں لے سکتی۔ناظر کا کوروی لکھتے ہیں:

''حالی ایک ایسے معاشرے کے فرد تھے جو اپنا ایک نظام اخلاق رکھتا ہو۔ان کا Huminzm اس اخلاق میں رہ کر اپنے معنی پاتا ہے۔ہمارے زمانے میں جبکہ تمام اخلاقی قدریں ایک بحران سے گزر رہی ہیں ہم ہیومنزم کے مختلف تصورات میں پناہیں تلاش کرتے ہیں گویا ہمارا ہیومنزم مذہبی اخلاقیات کا نعم البدل ہے۔

اس نظریے پر سب سے بڑا اعتراض یہی کیا جاسکتا ہے کہ شعر کی آفاقیت کو ایک مخصوص دائرے میں قید کر دیا گیا ہے۔کسی ملک میں اگر مسلمانوں کی تعداد کم ہے یا غیر مذہب والوں کے برابر ہے تو کیا تصوف سے جڑا اخلاق سب افراد پر یکساں اثرات کا حامل ہوگا؟ کیا تمام افراد ایک ہی قانون سے مستفید ہوسکتے ہیں جبکہ وہ قانون بھی چند افراد کے لیے موثر نہ ہو۔حالی نے شعر کی اخلاقی حالت کا صوفیاء کے ماننے والوں پر اثر تو بتا دیا لیکن وہ افراد جو صوفی ازم کو تسلیم نہیں کرتے ان پر شعر کیا اثر ڈالتا ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ باقی افراد پر شاعری کا اخلاقی پہلو کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔اسی طرح اگر ایک غیر مسلم اپنے اخلاق کو شاعری سے درست کرنا چاہتا ہے یا تابع کرنا چاہتا ہے۔تو اس کے لیے کون سی شاعری اور کارآمد ہوگی؟ حالی اس کا بھی ذکر نہیں کرتے شاید حالی اس نظریے کو درست طریق سے سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔لفاظی کے علاوہ حالی کے اس نظریے میں کوئی صداقت نظر نہیں آتی کیونکہ الفاظ کے لباس میں مضمون کی کا جسم کچلا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔حالی کے اخلاقی شاعری کے تصور کو عالمگیریت سے جوڑنا بھی محال ہو جائے گا اگر حالی صوفیاء کی مثال نہ دیتے تو شاید یہ نظریہ کسی اور صورت میں قابلِ عمل ٹھہرتا۔ہندوستان کیونکہ کثیر الجہتی اقوام اور مذاہب پر مشتمل ہے تو ہندوازم اس نظریے سے کس طرح متاثر ہوسکتا ہے؟ ہندوازم میں تو موسیقی مذہب کا لازمی جزو ہے۔اب اگر حالی کے اسی نظریے کا اطلاق یہاں پر کر دیا جائے تو کیا مندر میں کسی سیوک کا گایا جانے والا اشلوک اور بھجن بھی وہ ہی کرشمہ دکھائے گا جو ایک صوفی کے تکیے پر بیٹھا ہوا محفلِ سماع کا مرید دکھاتا ہے۔انسانی زندگی میں اخلاق کی حیثیت بہت اہم گردانی جاتی ہے۔وہ شاعری جو اخلاقی کیفیات کو جوش دیتی ہو وہ قابلِ تعریف ہے لیکن معاشرے میں ہمیشہ اسی شاعری کا چرچا ہوتا ہے جو تسکین کا سبب بنیاس لیے بہت سے شعراء نے غزل میں ایسے تجربات کیے کہ اگر دو شعر محبت کے تھے تو تیسرا اخلاق یا تصوف کی فضا کو جوڑ کر پیش کر دیا۔اقبال کی اسلامی شاعری بھی جوش، ولولہ، اندازِ بیاں، ترنم و موسیقیت، گھن گرج اور اسلوب کی وجہ سے

عوام میں مقبول ہوئی اگر اقبال بھی خشک مضامین کو خشک انداز سے ہی پیش کرتے تو شاید آج وہ شاعرِ مشرق نہ کہلاتے۔حالی نے اس نظریے سے ایک طرف صوفی ازم کو شعر کی دیوار بنا دیا ہے دوسرا انہوں نے اخلاق کو ایک مخصوص دائرے میں قید کر کے شعری پابندیوں میں جکڑ دیا ہے۔شعر کی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن ایک انسان اور روبوٹ میں فرق ہوتا ہے۔انسان مختلف حالتوں کا مرقع ہے۔ایسا نہیں ہے کہ بٹن دبایا تو وہ اخلاق سے بھرا چہرہ پیش کردے اور دوسرا بٹن دبایا تو خوشی ومسرت کی شادمانی سے لبریز انسان نظر آنا شروع ہوجائے شاعری کی عظمت اصل میں لکھنے والے کے انداز اور پڑھنے والے کے شعور سے تعلق رکھتی ہے۔ایک ہی شعر دس مختلف افراد کو مختلف کیفیات میں پڑھنے کے لیے دیا جائے تو ہر فرد اس سے الگ مطلب اور اثر لے گا اور ایک دل ٹوٹے انسان اور ایک بے حس انسان پر شعری رویہ الگ الگ رنگ سے ظاہر ہوگا۔ایک ذوق والے فرد اور بے ذوق انسان کو ایک ہی شعر ایک ہی طرح سے متاثر نہیں کرسکتا۔آفاقیت کا قانون ہی یہی ہے کہ جب ہر پڑھنے والا شعر سے وہ ہی لطف اور مزہ لے جس کا دعویٰ دار دس سال پہلے گزرا ہو۔شعر کی عظمت کے حوالے سے حالی کہتے ہیں: یہ کہنا کہ تمام دنیا شعراء کا ادب اور تعظیم کرتی ہے جنہوں نے اس حاتم سلیمانی کی بدولت جو قوتِ متخیلہ نے ان کے قبضہ میں دی ہے انسان میں ایسی تحریک اور برانگیختگی پیدا کی ہے۔جو خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف لے جانے والی۔

یعنی اس سے مراد تو یہ ہوا کہ وہ شاعری جو نیکی کی تلقین کرتی ہو یا نیکی کی راہ پر لے جائے اس شاعری اور شاعر کی کی ہر معاشرہ عزت کرتا ہے۔لیکن کیا سچ میں ایسا کوئی قانون معاشرے میں موجود ہے؟ حالی نے اس نظریے سے مذہب کی حقانیت اور اصولوں کو شاعری پر چسپاں کرنے کوشش کی ہے۔پہلے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ نیکی کی طرف لے جانے والی شاعری کون سی ہے؟ ایسی شاعری کیا نماز روزے کی تلقین کرتی ہے؟ یا انسان شعر سنتے ہی سجدہِ شکر بجا لاتا ہے؟ اور کیا ایسی شاعری ہر معاشرے کے مطابق ہوگی یا اسلامی شاعری اسلامی دنیا میں اور عیسائی شاعری عیسائی دنیا کو نیکی کی راہ دکھائے گی؟ حمد اور نعت ایک مسلم معاشرے میں رقت اور عشق ومحبت تو پیدا کرسکتے ہیں وہ ان معاشروں میں کس طرح نیکی اور اچھائی کا نشان بن سکتے ہیں جہاں پر ان نظریات کو تسلیم نہیں کیا جاتا؟ معاشرتی طور پر کیا شاعری کسی فرد کو نیکی کی تلقین کرسکتی ہے؟ کیا کوئی ایسا پیمانہ موجود ہے جس سے معاشرہ شاعری کے ذریعے نیک ہوجائے؟

دُنیا میں ہمیشہ ان شعراء کو عزت وتکریم ملی جن کے منفرد خیالات نے شاعری کو نیا چلن عطا کیا۔لیکن مذہبی شاعری کیونکہ پابند ہوتی ہے اس لیے اس کو مخصوص سوچ اور رنگ میں ہی پڑھنے والے پڑھتے ہیں۔حالی کا یہ نظریہ مخصوص سوچ سے جڑا ہے اس نظریے میں بھی آفاقیت کا چلن کم نظر آتا ہے۔کیونکہ نیکی کا پیمانہ اگر تو تمام ممالک میں ایک جیسا ہو تو پھر تو یہ شاعری عالمی اصولوں پر قائم رہے گی۔لیکن اگر نیکی کا اصول انسانیت کے برخلاف مذہب سے جڑتا ہے تو دنیا کے ہر مذہب میں سچائی کے عالمی اصولوں کے علاوہ نیکی کا پرچار مختلف طور طریقوں سے بندھا ہوا ہے۔اور کیونکہ ہر مذہب نیکی کا طریق اپنے بانی یا مذہب کے شارع سے حاصل کرتا ہے۔اس لیے اختلاف کا ہونا لازم ہے۔شعر کی عظمت میں کوئی کلام نہیں لیکن ایک معاشرے کے شعری ذوق کا اطلاق لازم نہیں دوسرے معاشرے پر بھی من وعن کیا جاسکتا ہو۔شاعری معاشرے کے تابع ہوتی ہے: حالی کا یہ نظریہ آج بھی سب سے زیادہ بحث طلب اور اثر انگیز کیفیت رکھتا ہے۔اس تصور کے تانے بانے معاشرے کے رجحان اور نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے باندھے گئے ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ حالی کے اکثر نظریات میں ان کا خلوص جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور کیوں کہ معاشرے کی اصلاح ان کے خمیر میں شامل تھی اس لیے ہر وہ نظریہ اور تصور جن پر انہوں نے رائے زنی کی اس میں صداقت کا وہ اصول موجود ہے جس کو حالی کا دل سچا مانتا ہے۔مقدمہ شعر وشاعری میں حالی لکھتے ہیں: سوسائٹی کے دباؤ یا زمانہ کے اقتضا سے شعر پر ایسی حالت طاری ہو جائے کہ وہ بجائے اس کے کہ قومی اخلاق کی اصلاح کرے اس کے بگاڑنے اور برباد کرنے کا ایک زبردست آلہ بن جائے۔قاعدہ ہے کہ جس قدر سوسائٹی کے خیالات، اس کی راہیں، اس کی عادتیں، اس کی رغبتیں، اس کا میلان اور مذاق بدلتا ہے اس قدر شعر کی حالت بدلتی رہتی ہے۔اور تبدیلی بالکل بے ارادہ معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ سوسائٹی کی حالت کو دیکھ کر شاعر قصداً اپنا رنگ نہیں بدلتا بلکہ سوسائٹی کے ساتھ ساتھ وہ خود بخود بدلتا چلا جاتا ہے۔

اس تصور سے حالی نے شعراء کی نفسیاتی اور معاشی حالت کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے۔ایک معاشرہ ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا تاریخ کے

دھارے پر اپنی ساکھ کے نقوش چھوڑتا ہے۔ایک شاعر معاشرے کا صرف حساس فرد نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک خاندان کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ ماں کا بیٹا اور بچوں کا باپ بھی ہوتا ہے۔کسی دفتر یا ادرے کا ملازم بھی ہوتا ہے جب ایک فرد کئی روپ رکھتا ہوتو اس پر ہر جگہ کے اثرات کا رنگ کچھ نہ کچھ تو ضرور ظاہر ہوتا ہے۔شعراء کرام کی اکثریت زمانہ بعید وقریب میں کسی بھی کام دھندے کو اس لیے اپنانے سے گریز کرتی تھی کہ ان کے تخیل کا جھولا زمانے کی سختی کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا۔شعراء کے تخیل پر معاشی شور اور معاشرتی ضرورتوں کا وزن اکثر انہیں کسی نہ کسی در پر جھکنے پر مجبور کردیتا ہے۔ایک وقت تھا کہ ہر شاعر درباری شعراء کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتا تھا۔اس کی سب سے بڑی وجہ تو شعراء کی مالی حالت اور انعام واکرام کا حصول تھا دوسرا بادشاہ یا نواب صاحب سے ذاتی تعلق کا بیج بونا تھا اور ساتھ ساتھ معاشرے کو یہ بتانا بھی مقصود ہوتا تھا کہ ہم میں کچھ بات ہے تو بادشاہ کے دربار میں مسند کے حق دار ٹھہرے ہیں۔یہ شعراء رائے عامہ کو بادشاہ یا نوابین کے لیے ہموار کیا کرتے تھے۔اب حالی کے تصور کو دیکھا جائے تو ان کے مطابق معاشرہ شاعری پر اثرات مرتب کرتا ہے جبکہ حقیقت میں معاشرے کی بجائے ضروریات اور ذاتی تشہیر شاعری کو کسی ایسی سمت لے جاتی ہے جس سے دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔درباری شعراء اور حقیقی شعراء کے مابین اسی بات پر اختلاف پایا جاتا رہا ہے کہ شاعری کا کون سا رخ بہتر ہے؟اگر معاشرہ شاعری پر اثرات مرتب کرتا ہے تو شعراء کی حساسیت پر سوالات اٹھنے شروع ہوجاتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں حالی کے اس نظریے میں ادبی اور عمرانی صداقت موجود نظر آتی ہے لیکن آفاقی شاعر وہی کہلاتا ہے جو معاشرے کو اپنی شاعری سے بدلنے پر قدرت رکھتا ہو۔جس کے خیالات اور اظہار کی قوت زمانے کے چلن سے ہٹ کر ہو۔شعراء کا کام معاشرے کے مسائل کا تذکرہ کرنا ہے حکمرانوں کو احساس کی دولت عطا کرنا ہے۔ہم ذوق افراد میں ادب کی چاشنی کو برقرار رکھنا ہے کیونکہ معاشرے میں ذوق پیدا تب ہی ہوتا ہے جب اس رجحان کی حوصلہ افزائی کی جائے جو ادب حقیقی خوشبو سے معطر ہو۔ہم ذوق افراد کا اکٹھا ہوجانا اور مل کر ایک دوسرے کی بات کو سننا اور سنانا اسی طرح ہے جیسے پانی کے میٹھے چشموں کا باہم میلاپ قدرت کے حسن کو واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ہم ذوق افراد کی قربت کا رنگ ایسے ہی ہے جیسے قوس وقزح کے دلفریب رنگ آسماں کی قدر و قیمت میں اضافہ کر کے اسے نایاب مناظر میں ڈھال دیتے ہیں ایسا فرد جو خیال کی رعنائیوں سے محبت کی خوشبو محسوس کرسکتا ہو اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں کیونکہ بدذوق لوگوں کی جماعت کے مقابل میں وہ باذوق انسان بہتر ہی جو زندگی کی خزاں میں احساسِ لطیف کے پھول کھلانا جانتا ہو۔جب شعراء اپنے ذاتی مفاد کے لیے لکھیں گے اور ان موضوعات کی چگالی کریں گے جو عامیانہ اور سوقیانہ مضامین پر مشتمل ہیں تو ایک وقت آتا ہے جب پورا معاشرہ اس چلن کو شاعری کا تاج سمجھنا شروع ہوجاتا ہے۔شعراء جس دور میں لکھ رہے تھے تو ان کا لکھا ہوا معاشرے کے طور طریقوں کی وضاحت کی بجائے بگاڑ سے جڑنے لگا ہر وہ فرد جو شاعری کے احساس سے تازہ دم تھا اس نے ابہام گوئی کو ہی شاعری کی معراج سمجھ کر اس راستے پر چلنا شروع کردیا۔اگر میر تقی میر بھی اس رنگ میں رنگے ہوتے تو ان کو خدائے سخن کون کہتا؟ معاشرتی اقدار اور رویے آہستہ آہستہ معاشرے کی بنیادوں کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں۔شاعری کا مسالہ کیونکہ اردگرد سے ہی اکٹھا کیا جاتا ہے اس لیے اس میں ہر طرح کی ملاوٹ کا بھی خدشہ برقرار رہتا ہے۔معاشرہ اگرچہ شاعری پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن وہ شعراء جو الگ رہ اختیار کرتے ہیں ہمیشہ آفاقیت کے سورج کی روشنی میں نہائے دکھتے ہیں لیکن عام چلن شاعری پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے اگر کسی شاعر کی چوما چاٹی کی کاوش مشہور ہوجائے تو ہر دوسرا شاعر اس موضوع کو لے کر لکھنے لگ جائے گا نتیجتاً ہر طرف اسی شاعری کے چرچے ہوں گے جس کو کمرشل ازم کہا جاتا ہے۔کمرشل ازم کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ شاعری کے لیے کمرشل ہونا ضروری ہے ہر شاعر معاشرے میں مشہور ہونے کے لیے لکھتا ہے یا پھر کسی خاص محرک کے پیشِ نظر شاعری کے میدان کو چنتا ہے۔اگر کوئی شاعر یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے لیے لکھتا ہے تو اس کو اپنی تحریری ایک صندوق میں بند کر رکھنی چاہیے اور وقتاً فوقتاً لا کھول کر دیکھتے رہنا چاہیے اور خوش ہوتے رہنا چاہیے یہ اصل میں ایک ایسا جھوٹ ہے جو ہر دوسرا شاعر بول کر عاجزی کا جھوٹا اور داغ دار لباس پہننے کی کوشش کرتا ہے۔دیا نرائن نگم کہتے ہیں:

''شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہمارے شعور میں گہرائی پیدا کر کے ہمارے نظریہ حیات میں وسعت لا کر اور ہمارے احساسات کی

تشکیل کر کے ہم سے یہ کہتا ہے کہ تمام قوتِ عمل اور تخیل اور زندگی کی ساری کائنات انسانوں ہی کے خون اور اعصاب سے بنی ہے۔

شاعری کو ایک مخصوص سوچ سے بھی جوڑ دینا انتہائی زیادتی ہوگی یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ شاعری کی کئی پرتیں ہیں لیکن کسی ایک پرت کو شاعری کا لباس قرار دے دینا غلط ہوگا۔ کمرشل ازم میں معاشرہ اس چیز کو پسند کرتا ہے جو مقبول ہو اس مقبولیت کا تعلق حقیقت، صداقت، واقعیت، سچائی، اصلاح، مقصدیت اور عمدہ پن سے ہونا لازم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء کے گروہ قائم ہوجاتے ہیں جو اپنی ذاتی تشہیر کے ساتھ ساتھ ادب کا نقصان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی ذاتی تشہیر کا طریق وہ احباب ہیں جو گھوڑوں پر سٹا کھیلنے والوں کی طرح مشاعروں کا انعقاد کرواتے ہیں۔ ایک وقت تھا جب مشاعرے کسی تہذیب کی علامت سمجھے جاتے تھے گو کہ اس وقت بھی کچھ جان پہچان اور عروض سے کوسوں دور شعراء ان مشاعروں میں شرکت کر لیا کرتے تھے لیکن انہیں نوسکھیا کی اصطلاح سے جانا جاتا تھا۔ لکھنؤ اور دلی تو ان مشاعروں سے ادبی روایت کے قلعے ثابت ہوئے۔ لکھنؤ کے مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام اگر حسن و عشق کے موضوعات سے میل نہ کھاتا تو شاعر کی تھڑا تھڑی ہوجاتی اس لیے مجبوراً ہر شاعر ایک ہی موضوع کی چگالی کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ اب لکھنؤ کا معاشرہ کیونکہ ایک خاص ڈگر میں چل رہا تھا تو یہ اثرات مرتب ہونا کچھ عجب نہیں۔ آتش کے کلام میں لکھنؤ سے کچھ بغاوت کے آثار نظر آتے ہیں لیکن ان میں وہ آگ نہیں جو معاشرے کو نئے اسلوب کی روش پر آمادہ کرتی گو کہ آتش کے تجربات نے انہیں لکھنؤ کا نمائندہ شاعر بنا دیا لیکن کیا معاشرے میں ہر دوسرا شاعر جرأت اور انشاء اللہ خان انشاء بننا نہیں چاہتا تھا؟ حقیقت میں لکھنوی معاشرے کے طور طریقوں نے ہی شعراء کے رنگ کو زنگ آلود کیا تھا۔ عیش پرستی اور انگور کے دانے کی سلطنت نے حکمت کو شاعری سے یکسر نکال کر پرے پھینک دیا۔ دلی کے شعراء کی تعریف اس لیے بھی بنتی ہے کہ ہر طرح کا تجربہ ان کے ہاں موجود نظر آتا ہے اور حالی کی بات کا جواب بھی دلی کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ دلی والوں نے شعری روایات کے ساتھ سمجھوتہ بھی کیا اور شعری حدود کے نئے زاویے بھی متعارف کروا دیے۔ دلی محض اجڑے ہوئے دیار کے طور پر نہیں جانا جاتا اگر حالی کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو ہر شاعر کو دلی کے اجڑنے اور نوحہ گری سے فرصت نہیں ملنی چاہیے تھی لیکن ایسا نظر نہیں آتا۔ دلی کی فضا پر اگر اداسی طاری ہے تو میر تقی میر اس اداسی سے تصورِ غم کا چولہ پہن کر پتے پتے اور بوٹے بوٹے کو اپنا حالِ دل سناتے ہیں۔ خواجہ میر درد تصوف کے قلم سے غزل کی آبیاری کرتے ہیں ہوئے آخرت اور دنیا میں سرفرازی کے طریق بتاتے ہیں۔ مرزا رفیع الدین سودا قصیدے کا خوان اٹھا کر کورنش بجاتے ہوئے شعری کلیوں کو چنتے ہوئے دربار کی رونق میں اضافہ کرتے ہیں مومن خان مومن عشقِ مجازی کو اس اداسی کی فضا میں شامل کر کے دل کی کھڑکی سے قوتِ گویائی کا فن سیکھ لیتے ہیں داغ دہلوی غزل کے خالص رنگ کو اپنی شوخی سے کوچہِ جاناں میں لے جاتے ہیں۔ جبکہ غالب گلدستہ شاعری کا ایک ایک پھول حکمت کے فن سے رشک کے بالوں میں ٹانکتے ہوئے مشکل پسندی کا وصف گہرائی اور گیرائی سے وابستہ کرتے نظر آتے ہیں اگر یہ دونوں دبستان اپنے اپنے معاشرتی رویوں کو پیش کرتے رہے ہیں تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں ایک معاشرہ فرد سے بنتا ہے اور اسی فرد سے افراد کا اکٹھ ہوتا ہے۔ اور یہ اکٹھ ایک دوسرے کی سوچ سے متاثر ہوتا ہے۔ عوام اگر رومانیت پسند ہیں تو شعراء اور مصنفین کی تحریروں سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح جدید عہد میں جب کتاب کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے اور کتاب کی جگہ میڈیا اور سوشل میڈیا نے لے لی ہے تو رائے عامہ کی ہمواری کا فریضہ ان لوگوں کے سپرد ہوگیا ہے جو ان پلیٹ فارمز کو اپنے مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حالی کا نظریہ یہاں پر ایک نئی نفسیاتی وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے کہ لوگ معاشرے کی سوچ کو آہستہ آہستہ غیر مخصوص انداز میں بدلتے ہیں جس طرح کسی مدرسہ یا سکول کا نصاب آہستہ آہستہ اثر انداز ہوتا ہے اگر تو اس نصاب میں مطابقت ہو تو ایک وقت آئے گا لوگ اسی کا حوالہ دیں گے لیکن اگر وہ نصاب ایک دوسرے سے منسلک نہیں ہے تو اس کے اثرات کم ہوں گے۔ اس لیے حالی کا یہ کہنا کہ معاشرہ شاعری پر اثر انداز ہوتا ہے تو ایک پہلو سے یہ بات درست ہے کہ معیشت اور معاشرت کے بنیادی قوانین سچ میں ایک شاعر پر اثر انداز ہوں گے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ شاعر اور ادیب معاشرے کی سوچ اور خیال پر غلبہ پاسکتے ہیں اور اپنے عہد کو متاثر کر سکتے ہیں۔ میر تقی میر، غالب، اقبال اور فیض کی مثالیں اردو ادب میں موجود ہیں جبکہ عالمی ادب میں تو لینن کا کارنامہ تو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جس سے انقلاب روس کی راہ ہموار ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ

مغربی دنیا تو ادب کے اثرات سے زیادہ متاثر ہوئی جہاں انقلاب کی ڈوریاں ادب کے ہاتھوں سے ہلائی گئی تھیں۔اس لیے حالی کے تصور کو اگر دونوں حالتوں میں دیکھا جائے تو قابلِ عمل نظر آتا ہے اور شعراء کا بہت بڑا طبقہ بھیڑ چال کا شکار ہو کر وہ ہی لکھتے ہیں جس سے ادب کی خدمت ہونا ہوان کے پیٹ کا ایندھن بھرتا رہتا ہے۔حالی ایک صاحبِ علم اور معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر سوچنے والے نقاد ہیں ان کی مثال اس شخص کی ہے جو علمی بصیرت سے نظریات کو پرکھتے ہیں کیونکہ صاحب علم ہمیشہ آپ طور طریقوں اور عادت واطوار سے پہچانا جاتا ہے۔جس طرح سورج کبھی یہ اعلان نہیں کرتا کہ وہ آسمان پر آچکا ہے اسی طرح ایک صاحبِ علم اور حقیقت کا ادراک کرنے والا کبھی شور اور بے تکے پن سے اپنی شناخت نہیں چاہتا بلکہ اس کی گفتگو اور عمل اس کی شخصیت اور علم کی پہچان بن جاتے ہیں۔عمومی طور پر ایک بونا شاعر یا ادیب خود کو بڑا کر کے پیش کرتا ہے لیکن پست قامتی جسمانی ہو تو کوئی عیب نہیں لیکن عقلی اور ادبی ہو تو کبھی بھی روا نہیں رکھی جاتی۔اس لیے وہ گدھا جو خود کو اونچی آواز کی بنا پر شیر سمجھنا شروع کر دے تو عین وقت جنگ دو حصوں میں تقسیم نظر آتا ہے۔

اس طرح وہ شاعر اور ادیب جو خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہو کر ادب کے میدان میں بلند بانگ دعووں پر اتر آئے تو بہت جلد اس کی حقیقی شناخت اسے دنیا میں رسوا کر دیتی ہے۔اسی لیے فکر اور حکمت معاشرتی رویوں سے مقصد کی جنگ میں سرخروئی کا کلہ پہن کر دلوں پر حکومت کرتی ہے۔فکر اور خیال کی رعنائی اس شمع کی مانند ہے جو اپنی روشنی سے اندھیرے کا دامن چاک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن یہی فکر اگر تخریب اور بربادی پر آمادہ ہو تو اپنی ہی شخصیت کو پراگندگی اور تنگ نظری کی آگ میں جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔یہ لازم نہیں ہے کہ عقل ہمیشہ شعور کی نمائندگی کرے بلکہ بعض اوقات عقل بھٹکتی آتما کی طرح بے سبب خیالات کو مجتمع کر کے فساد کا باعث بھی بن جاتی ہے۔شعور کا پہلا مرحلہ عاجزی اور سیکھنے کے عمل سے جڑا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک متکبر عقل سے شعور کا وہ زینہ طے کر سکے جو اس کو داخلی سکون بخش سکے۔شعور کی شمع جب روشن ہو جائے تو اپنوں سے زیادہ غیروں کی فکر اس لیے لاحق ہو جاتی ہے کیونکہ آگاہی شعور کا دروازہ ہے۔ ***

گواڑخ، بلوچستان کا خودرو پھول

شیخ فرید

گل و بہار کی سج دھج سمیٹے سرزمینِ بلوچستان کو قدرت نے بڑی فرصت سے، بڑے مان سے تخلیق کیا ہے اِسی لیے تو یہاں بیک وقت نوشکل کا صحراء، ژوب کے پہاڑ اور چٹانیں، نصیرآباد کے کھیت کھلیاں اور پسنی واوماڑا کا نیلگوں سمندر کے علاوہ بولان کا بل کھاتا درہ مخلوقِ خدا کو دعوتِ نظارہ دیتا دکھائی دیتا ہے۔یہاں کی مٹی سے اُگنے والے پھولوں کا اپنا ہی حسن ہے بلوچستان کا مشہور پھول گواڑخ جسے ٹیولپ بھی کہتے ہیں موسم بہار میں صرف ایک سے ڈیڑھ مہینے ہی جلوے دکھاتا ہے۔بلوچستان میں محکمہ زراعت کے مطابق، گواڑخ قیام پاکستان سے قبل کوئٹہ اور اس کے قریبی اضلاع میں نہ صرف باقاعدگی سے اُگایا جاتا تھا بلکہ تجارت کے غرض سے برآمد بھی کیا جاتا تھا۔محکمہ زراعت کے ڈپٹی ڈائریکٹر فلوریکلچر محمد اسلم شاہوانی نے بتایا کہ پاکستان بننے سے قبل کوئٹہ پھولوں بالخصوص گواڑخ برآمد کرنے کا ایک مرکز تھا جو انگریزوں کے جانے کے بعد ختم ہو گیا۔شاہوانی کیمطابق کوئٹہ، پشین، مستونا ورقلات ماضی میں پھولوں کے حوالے سے موزوں علاقے تھے اور آج بھی یہاں تجارتی پیمانے پر انہیں اُگا کر زرمبالہ کمایا جاسکتا ہے۔زرعی محققین کے مطابق عام طور پر پیلے اور سرخ رنگوں میں پایا جانے والا یہ پھول بلوچستان میں مارچ کے مہینے میں بہار کی آمد کیساتھ قدرتی طور پر کھلتا ہے۔فارم میں اُگانے کیلئے گواڑخ کے بیج ہالینڈ سے منگوائے جاتے ہیں جو دنیا بھر میں پھولوں کی برآمد کے ذریعے سب سے زیادہ زرمبادلہ کمانے والا ملک ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ سن 1554 تک یورپ کو اس پھول کے بارے میں علم نہیں تھا اور اس کے بیج کوئٹہ سے درآمد کئے جاتے تھے لیکن آج پاکستان اس پھول کے بیج ہالینڈ سے برآمد کر رہا ہے۔گواڑخ یا گل لالہ اپنی خوبصورتی اور منفرد رنگ کی وجہ سے بلوچستان کے شعراء کے اظہار خیال کا مرکز بھی ہے۔ایک ایسے ہی شاعر محمد حنیف مزاج موسم بہار اور گواڑخ کو شعراء کیلئے کسی نعمت سے کم نہیں سمجھتے۔محمد حنیف مزاج نے بتایا: موسم بہار کی دلکشی اور ٹھنڈی ہوائیں شاعر کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنی محبوبہ کو گواڑخ سے تشبیہ دے۔

بلوچستان میں اکثر لڑکیوں کے نام گواڑخ رکھے جاتے ہیں اور بلوچ اور براہوی زبان کے شعراء کے کلام میں گواڑخ کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے۔براہوی زبان کے ایک شاعر منظور بلوچ اپنی نظم کے دو مصرعوں میں گواڑخ کے حوالے

سے کچھ یوں کہتے ہیں ۔

''تانکہ پھرتا شلس مف ترند او اگہ

داڈ غارام تینا گواڑخی دھن مفک

منظور بلوچ نے شعر میں کہا کہ 'اگر ہماری زمین پر تیز بارشیں نہ ہوتو گواڑخ کا کھلنا ممکن نہیں ہے۔گواڑخ دنیا بھر میں ہسپتالوں میں زیر علاج مریضوں کو بہتر محسوس کرانے کیلئے انہیں تحفے کے طور پر بھی دیا جاتا ہے گواڑخ کو بلوچستان کا پھول بھی کہا جاتا ہے۔

اشفاق احمد لکھتے ہیں کہ....ایک بار لاہور میں قذافی سٹیڈیم میں ایک بھارتی گلوکار نے کنسرٹ کیا۔رقص وموسیقی کی محفل میں پاکستان کے نامور شخصیات کو مدعو کیا گیا۔مہمانوں کی تواضع ہر قسم کے مشروبات سے کی گئی جبکہ پاکستانی فلمی اداکاراؤں نے رقص کر کے بھارتی گلوکار کا ساتھ دیا اور دیکھنے والوں سے خوب داد وصول کی۔اس تقریب میں پاکستان کے نامی گرامی سیاستدان، اداکار، دانشور اور بڑی بڑی شخصیات مدعو تھیں ۔سیکورٹی کا سخت انتظام تھا،مشہور فلسفی اشفاق احمد صاحب کو بھی دعوت نامی بھیجا گیا۔اشفاق صاحب جب قذافی سٹیڈیم پہنچے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ دعوت نامہ ساتھ لانا بھول گئے ہیں۔انہوں نے سکیورٹی کے عملہ سے کہا کہ وہ دعوت نامہ لانا بھول گئے ہیں انہیں اندر آنے دیا جائے۔سکیورٹی والوں نے انہیں اندر آنے نہ دیا۔ انہوں نے بہت کہا کہ وہ ملک کی مشہور شخصیت ہیں مگر سکیورٹی والوں نے نہ صرف انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا بلکہ دھکے مار کر وہاں سے ہٹا دیا اور کہا کہ باباجی یہاں ہر کوئی مشہور بنا پھرتا ہے۔جاؤ ہمیں اپنا کام کرنے دو۔تنگ نہ کرو۔ بقول اشفاق صاحب مجھے بہت دکھ ہوا کہ ایسا میرے ساتھ کیوں ہوا؟ کیا میری اتنی بھی اوقات نہیں تھی کہ مجھے ایک کارڈ کے بغیر پہچان لیا جاتا؟۔میں بے عزتی کے احساس کی وجہ سے پوری رات سو نہیں پایا۔صبح اٹھ کر جب اخبار دیکھا تو اخبار بھرا پڑا تھا گزشتہ رات کی تقریب کی خبروں سے سرخی تھی کہ۔بھارتی گلوکار کارگل میں بھارتی فتح کا جشن منا کر چلا گیا، بیوقوف پاکستانی شراب کے نشے میں دھت ڈھول کی تھاپ پر بھارتی فتح کا جشن مناتے رہے۔بھارتی گلوکار نے جان بوجھ کر اسی تاریخ کو شو کیا جب پاکستان نے کارگل سے فوج واپس بلائی تھی اور بھارت نے فتح کا اعلان کیا تھا۔افسوس ناک بات یہ کہ پوری رات پاکستان کی خواتین بھی ناچتی رہیں اور پاکستان کو رسوا کرتی رہیں۔تقریب میں شامل ہونے والی تمام شخصیات کے ناموں کے ساتھ تصاویر بھی شائع ہوئیں۔ اور آخری لائن یہ تھی کہ اس تقریب میں اشفاق احمد بھی مدعو تھے مگر وہ اس ذلت آمیز تقریب میں شامل نہیں ہوئے۔یہ خبر پڑھ کر میں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے ایسی جگہ سے دھکے مار کر نکلوا دیا جہاں میرا ملک بدنام ہو رہا تھا۔اللہ نے مجھے ایک گناہ سے بچا لیا۔اور میں اسکے اس احسان کا شکر ادا کرنے کی بجائے ساری رات غمگین رہا۔جس بات کو میں اپنے عزتی سمجھ رہا تھا اس میں تو میری عزت تھی۔اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے رسوا کرے۔اللہ سے بدگمان نہ ہونا۔وہ سب جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے۔۔(انتخاب نورِ سحر)

بڑھاپا۔ تلخیص: مبشر شہزاد، گلاسگو

۞ بڑھاپا پوچھ کر نہیں آتا اور نہ ہی دھکے دینے سے جاتا ہے۔۞ یہ مشرق میں مرض اور مغرب میں زندگی انجوائے کرنے کا اصل وقت سمجھا جاتا ہے۔۞ بڑھاپے میں دانت جانے لگتے ہیں اور دانائی آنے لگتی ہے۔۞ اولاد اور اعضاء جواب دینے لگتے ہیں۔۞ بیوی اور یادداشت کا ساتھ کم ہونے لگتا ہے۔۞ بڑھاپا آتا ہے تو مرتے دَم تک ساتھ نبھاتا ہے۔۞ بڑھاپے کی پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ حسین لڑکیاں 'انکل' کہہ کر پکارنے لگتی ہیں۔۞ انسان دو چیزیں مشکل سے قبول کرتا ہے، اپنا جرم اور اپنا بڑھاپا ۞ ہمارا بچپن دوسروں کی دلجوئی اور خوشی کیلئے ہوتا ہے۔۞ جوانی صرف اپنے لئے ہوتی ہے اور بڑھاپا ڈاکٹروں کیلئے۔۞ جب بار بار اللہ ڈاکٹر اور بیوی یاد آنے لگے تو سمجھ لیں آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔۞ بڑھاپے کا ایک مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ بیضرر ہوتے جا رہے ہیں۔اپنے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔۞ جب بچے آپ کو نانا، دادا کہہ کر اور حسین لڑکیاں انکل کہہ کر پکارنے لگیں تو تردد سے کام نہ لیں۔۞ تنہائی پاتے ہی غم بھلانے کے لیئے سیٹی بجائیں، کیوں کہ آپ سیٹی کے قابل رہ گئے ہیں ۞ بڑھاپے میں اگر اولاد آپ کی خدمت کرتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ان کی تربیت اور اپنی لائف انشورنس پر پورا دھیان دیا ہے ۞ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا یہ ایک نہیں ہزاروں بوڑھوں کا قول ہے۔۞ بوڑھا ہونا الگ چیز ہے، بوڑھا دکھائی دینا الگ، ہر بوڑھے میں ایک بچہ اور جوان چھپا ہوتا ہے۔۞ بوڑھا ہونا آسان کام نہیں، اس کے لئے برسوں کی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔۞ دنیا نہ چل پاتی اگر بوڑھے ہونے کا رواج نہ ہوتا ۞ بڑھاپے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بوڑھے کو دیکھ کر سب سیٹ چھوڑ دیتے ہیں.! سوائے سیاستدان کے اچھا خاندان اور اچھی حکومت ہمیشہ اپنے بوڑھوں کا خیال رکھتی ہے۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

فیس بک نے جن خواتین کو گھر بیٹھے شاعرہ بنا دیا ہے ان کی پوسٹ پڑھنے لائق ہوتی ہے۔ ایک محترمہ نے شعر لکھا۔کاش میں آسمان بن جاؤں...اورتم پرندے بن کر میری طرف اُڑتے ہوئے فوراً چلے آؤ نیچے واہ واہ کی لائن لگ گئی۔ایک صاحب نے فرطِ جذبات سے مغلوب ہوکر لکھا بانو قدسیہ کے بعد آپ ہی عظیم شاعرہ ہیں۔ایک اور فین کا تبصرہ تھا سویٹ آپی! آپ کے اشعار بھی آپ ہی کی طرح خوبصورت ہیں اور اِن میں کہیں کہیں میر تقی میر کا رنگ جھلکتا ہے.خاتون نے دل کی اَتھاہ گہرائیوں سے سب نقادوں کا شکریہ ادا کیا اور یہ ہولناک خوشخبری سنائی کہ اب وہ ہر ہفتے ایک غزل لکھا کریں گی۔آج کل نہ صرف وہ باقاعدگی سے غزلیں لکھ رہی ہیں بلکہ گزشتہ دنوں موصوفہ نے اپنے متوالوں سے ایک سوال بھی پوچھا کہ شاعری کی کتاب چھپوانے کے لیے کون سا پبلشر بہتر رہے گا؟ جواب میں ڈیڑھ دوسو پروانوں نے مختلف پرنٹنگ پریس کے نام لکھ بھیجے۔یہ جو بھی سٹیٹس اپ ڈیٹ کرتی ہیں اس میں اُردو کی ایسی ایسی شاندار غلطیاں کرتی ہیں کہ فوراً ہی ان کی لیاقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ایک بی بی نے لکھا یہ شعر آج بھی میری ڈائری میں لکھا ہوا ہے کہ بچھڑا کچھ اس ادا سے کے رُتھ ہی بدل گئی....ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا۔نیچے کسی دل جلے نے لکھ دیا، اچھا ہی ہوا کہ بچھڑ گیا ورنہ اس نے آپکی اردو پڑھ کے خودکشی کر لینی تھی۔فوراً آپی کے ایک ہمدرد نے غصے سے لکھا سویٹ آپی حکم کریں تو اس گستاخ کو مزا چکھا دوں؟...آپی نے متانت کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً لکھا نہیں پیارے بھائی! ایسے ان پڑھ اور جاہلوں کے منہ لگنا مناسب نہیں۔سارے بیٹے آس پاس بیٹھ گئے۔بوڑھے باپ نے تلاوت ختم کی قرآن کو بند کر دیا آنکھوں سے لگایا، چوما اور احترام سے سرہانہ رکھ دیا۔۔۔ایک نظر سب پر ڈالی اور کہنے لگا۔۔۔میں اپنی زندگی گزار چکا ہوں، اس سے پہلے کہ آنکھیں بند ہو جائیں اپنی جائیداد تم میں تقسیم کر کے جاؤں گا۔۔۔سب کو اچھا خاصہ حصہ ملے گا۔مگر یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اپنی بہنوں کو مجبور کرو کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں۔ورنہ۔ورنہ کیا ہوگا ابا جان؟ سب سے چھوٹا پوچھ بیٹھا۔بوڑھے باپ کے چہرے پر تلخ لہریں آئیں اور گزر گئیں۔خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ورنہ تمہارے باپ کی زمین غیروں میں چلی جائے گی۔چھوٹا ذرا خود سر تھا م کر پوچھنے لگا، ابا جان! بیٹی کو جائیداد سے حق دینے کا حکم تو خدا کا ہے۔کیا خدا کو یہ علم نہ تھا کہ بیٹی کو حصہ دینے سے زمین غیروں میں چلی جائے گی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔کسی کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ پھر بول اُٹھا۔بیٹی کو زمین دیتے ہوئے آپ کو لگا کہ زمین غیروں میں چلی جائے گی۔مگر داماد کو بیٹی دیتے ہوئے آپ نے کیوں نہ سوچا کہ بیٹی غیروں میں چلی جائے گی؟؟؟

میاں بیوی والا عشق۔

مبشر شہزاد، گلاسگو

لوگ بیوی کی خوشی چاہنے کو زن مریدی کہتے ہیں۔میں کہتا ہوں اس آدمی سے پوچھیں جس کی بیوی اس سے خوش ہے، وہ مرید ہے کہ مراد۔خوش ہو کر ہی تو عورت عورت بنتی ہے۔عورت کو دیکھنا ہو تو اس کی خوشی دیکھیں، اسے خوشی میں دیکھیں۔ماں بہن بیوی بیٹی اگر خوش نہ ہوں تو دیکھ لیں، اور اگر خوش ہوں تو دیکھ لیں۔ذرا یاد کریں، آپ کی بیوی آپ سے خوش ہوتی ہے تو کیا کرتی ہے، کیا کہتی ہے، نافرمانی کرتی ہے، یا فرمانبرداری، بدزبانی کرتی ہے یا تہذیب و شائستگی کا مظاہرہ؟ میں دعوے سے کہتا ہوں عورت شوہر سے خوش ہوتی ہے، تو فرمانبرداری کرتی ہے، اس کا ہر کام بھاگ بھاگ کر کرتی ہے، بغیر کہے کرتی ہے، نرم و نازک لہجے میں خوبصورت باتیں کرتی ہے، تہذیب و شائستگی سے بلاتی ہے، اور ناز و ادا سے لبھاتی اور رجھاتی ہے، اور ایسا کر کے خوش ہوتی ہے۔آپ نے کبھی کوئی گفٹ دیا ہو تو یاد کریں کیا کیا تھا اس نے؟ بدتمیزی کی تھی، نافرمانی کی تھی؟ نہیں اس نے آپ کا بڑے پیار سے شکریہ ادا کیا ہوگا، آپ کے گفٹ کو چوما ہوگا، بار بار دیکھا ہوگا، آنکھوں سے لگایا ہوگا، آپ کو بغیر مانگے چائے کافی پلائی ہوگی، اور آنے والے دنوں کی خوبصورت باتیں کی ہوں گی۔کبھی رات کو اٹھ کر وہ گفٹ دیکھا ہوگا، اس گفٹ کے بارے میں سوچا ہوگا، اور کبھی آپ کو سوئے ہوئے دیکھا ہوگا، دیکھ کر مسکرائی ہو گی۔آپ کیسے کہتے ہیں بیوی کو خوش رکھو تو وہ سر پر چڑھ جاتی ہے۔آپ کو پتہ ہے عورت شادی کیوں کرتی ہے؟ عورت شادی کرتی ہی عزت اور خوشی کے لئے ہے۔ذلت اور پیسے تو شادی کے بغیر بھی مل جاتے ہیں۔دنیا کے تمام رشتے میاں بیوی کے رشتے سے نکلتے ہیں، اور میاں بیوی کے رشتے میں ختم ہو جاتے ہیں۔اپنے اس رشتے کی دل و جان سے حفاظت کریں، اور اسے خوبصورت سے خوبصورت بنائیں۔

***

عورت کی گھریلو نا کامیاں

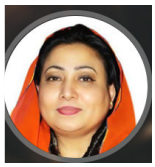

(تحریر۔ممتاز ملک۔پیرس)

ہمارے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں عورت کو اپنے شوہر اور اپنی سسرال کی نفسیات کے تناظر میں انہیں ہینڈل کرنا آنا چاہیئے۔ ہماری مائیں اپنی بیٹیوں کو یہ تو سکھاتی ہیں کہ میاں کو کیسے قابو کرنا ہے یا عرف عام میں کیسے نیچے لگانا ہے لکن یہ سکھانا بھول جاتی ہیں کہ سب کے دل کو کیسے قابو میں کرنا ہے۔میاں کے گھر پہنچتے ہی دنیا بھر کی خبریں اور خصوصا بری خبریں اس کے کان میں پھونکنا، گھر داری سے جان چھڑانا، کھانے پکانے سے جان چھڑانا، مرد کے غصے میں برابر کی زبان چلانا، اپنے اور اس کے گھر والوں کا ہر وقت بلا ضرورت کا تقابل کرتے رہنا، اپنے میکے کو بھرنے میں لگے رہنا، اپنی آمدنی سے زیادہ کے شوق پالنا، ہر عورت کا اپنی بہن کو اچھے عہدے یا کمائی والے دیور سے بیاہنے کے جبری منصوبے، اس کے گھر والوں کو نظر انداز کرنا، یہ سب باتیں میاں بیوی کے رشتے میں زہر بھرنے کا باعث بنتی ہیں۔ہم ہر بات کا الزام مردوں یا شوہر کے سر پر ڈال کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔

ہمارے سامنے آنے والے کئی گھریلو تشدد کے واقعات بیحد افسوسناک ہیں، لیکن ان سب حالات کا کوئی دوسرا رخ بھی ضرور ہوگا۔اگر حالات ایسے خوفناک رخ پر جا رہے تھے، لوگ اتنے برے تھے، شوہر اتنا جابر تھا تو کیوں طلاق نہیں لی ان بہنوں نے؟ سو ہر بات پر جذبات کے بجائے عقل کا استعمال کیا جائے تو بہت کچھ واضح ہو جاتا ہے۔بجائے اس کے کہ طلاق کو ایک کلنک کا ٹیکہ سمجھ کر تو احتراز کیا جائے لیکن قاتل یا قاتلہ کا جھومر سر پر سجا لیا جائے۔کیا مطلقہ ہونا یا طلاق دینا قاتل یا قاتلہ بننے سے بھی زیادہ قابل نفرت ہے؟ تو کیا اللہ نے ایک قابل نفرت کام کی اجازت دے رکھی ہے؟

پھر یہ کہنا کہ حالات ایسے تھے، ویسے تھے طلاق نہیں لی جا سکتی تھی تو اس صورت میں دو ہی کام ہو سکتے ہیں یا تو صبر کیجیئے یا قتل کر دے یا قتل ہو جائے۔آپ اسے اگر حل سمجھتے ہیں تو معاشرے کو یہ بات ذہن نشیں کرانی ہو گی کہ طلاق لینا ایکدوسرے کو قتل کرنے سے ہزار گنا بہتر ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیوں بیٹیوں اور صحابیات نے جو عمل کیا اسی میں معاشرے کی بقاء ہے۔کئی نام نہاد مسلمان جو دین کی بنیاد تک سے نابلد ہیں وہ بہت زور و شور کیساتھ عورت مرد کی بحث میں اپنی ذاتی پسند اور ضرورت کے معاملات پر غیر اسلامی فتوے تھوپ کر خود کو عالم ثابت کرنے کی کوشش کرنے میں اپنا زور بیان صرف کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔جو کم علم اور دین سے نابلد لوگوں کے لئے کھلی گمراہی کا سبب بنتا ہے اور وہ ان نیم ملا جیسی معلومات سے معاشرے میں شر پھیلانے کا سبب بھی بنتے ہیں۔جیسا کہ ان کے نزدیک طلاق دینا بس مرد کا حق ہے عورت خود سے اپنے شوہر کو چھوڑنے کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ چاہے وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ جو کہ صریحا گمراہی ہے۔دین اسلام کو دین فطرت اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اس میں صرف مرد یا عورت نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت میں شامل عادات و خصائل کو مدنظر رکھ کر قانون سازی کی گئی ہے اور احکامات مرتب کئے گئے ہیں۔اور کسی کے ساتھ رہنا یا نہ رہنا زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے اہم فیصلہ ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے قوانین میں ناانصافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ایسی باتیں کرنے والے خود اللہ پاک پر جانبداری کی تہمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں دن کا علم حاصل کرنا چاہیئے ورنہ کسی قابل عالم سے ایسے معاملات میں رائے لینا چاہیئے۔طلاق دینا مرد کا حق ہے تو خلع لینا اس کے برابر کا حق ہے جو اللہ پاک نے عورت کو دے رکھا ہے۔اگر وہ اپنے شوہر کیساتھ خوش نہیں ہے یا محفوظ نہیں ہے یا وہ اسکی جانب سے مسائل کا شکار ہے تو وہ اپنا حق خلع استعمال کر سکتی ہے۔جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو صاحبزادیوں کے لیئے انکی رخصتی سے قبل ہی استعمال کروایا۔کیونکہ اسلام آ چکا تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت فرما چکے تھے اور جہاں طلاق سے متعلق احکامات نازل ہو چکے تھے وہیں خلع کا حق بھی عورت کے لیئے دیا جا چکا تھا۔ اسے گالی کی حیثیت دیکر ان سب معزز خواتین کی توہین مت کیجیئے۔ یہ بات سمجھ کر ہی ہمارے معاشرے سے قتل و غارت کا خاتمہ ہوگا۔اور یہ کام ہماری ماؤں کو کرنا ہوگا جو اپنے کنوارے تو کیا چار بار بیاہے ہوئے بیٹے کے لیئے بھی ان ٹچ 18 سالہ دوشیزہ ڈھونڈنے پر تلی رہتی ہیں۔لیکن کسی مطلقہ یا بیوہ لڑکی کو نا توبا کردار سمجھتی ہیں اور نہ ہی گھر بسانے کے لائق۔انہیں یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک جوڑے میں جدائی کی وجہ ان میں سے کسی کا بدکردار ہونا یا گھر نا بسا سکنا ہو بلکہ اس کی اور بھی بے شمار وجوہات ہو سکتی ہیں۔ان کا ذہنی طور پر ایک دوسرے کو قبول نہ کرنا بھی اس کی

ایک بڑی وجہ ہے اوران سب سے بڑی اور مستند وجہ تو یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس جوڑے کے درمیان اس رشتے کا وقت ہی اتنا لکھا تھا۔ پھر وہ چاہتے یا نہ چاہتے انہیں الگ ہو ہی جانا تھا۔ چاہے اس کی وجہ کچھ بھی اور کتنی بھی معمولی بات ہی کیوں نہ بن جاتی۔

لیاقت علی کے قاتل۔

مبشر شہزاد، گلاسگو

کل ایبٹ آباد میں ایک تاریخی شخصیت 106 سال کی عمر میں وفات پا گئی۔ آپ کو جان کر حیرت ہوگی کہ وہ کون سی شخصیت تھی جو گمنام رہی تو وہ شخصیت اس سید اکبر کی بیوی تھی جس نے 1951ء میں ہمارے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کا لیاقت باغ راولپنڈی میں قتل کیا تھا. اس سید اکبر کو تو موقع پر ہی پکڑنے کی بجائے قتل کیا گیا تھا۔ مگر اسکے چار بیٹوں اور بیوہ کو ایبٹ آباد کنج قدیم میں ایک گھر الاٹ کیا گیا اور سخت پہرے میں اُس وقت کی جدید ترین سہولیات بھی مہیا کی گئی تھیں۔ اسکا بڑا بیٹا دلاور خان جو اُس وقت 8 سال کا تھا، آج بھی 85 سال کی عمر میں زندہ سلامت اپنے ذاتی بہت بڑے گھر میں شملہ ہل بانڈہ املوک میں رہائش پزیر ہے کیونکہ جو گھر اس کو اور اسکی ماں کو الاٹ کیا گیا تھا وہ بیوہ کے نام پہ تھا اور انکا بچپن وہاں گزرا. اِسی دوران پہرہ دینے والے سپاہی سے انکی ماں نے شادی کر لی اور اسکے ہاں 5 بچے یعنی 4 بیٹے اور ایک بیٹی کی مزید پیدائش ہوئی، 8 بھائی اور ایک بہن والا کنبہ نہایت خوشحال زندگی گزارتا رہا۔ بالآخر دلاور خان کی شادی بھی اسکے دوسرے پاکستانی والد بدل زمان خان نے اپنی رشتہ دار سے کروائی جو 7 بچوں یعنی 4 بیٹوں اور 3 بیٹیوں کی ماں ہے،۔ سید اکبر (لیاقت علی خان کا قاتل) کے باقی 3 بیٹے یکے بعد دیگرے امریکہ میں سیٹل کرا دیئے گئے۔ دلاور خان شادی کے کچھ عرصہ بعد کابل گیا، بقول اس کے اپنی آبائی زمینیں دیکھنے اور اپنی بیوی اور ایک ہی بیٹا جو اس وقت تھا اس کو ماں کے پاس چھوڑ رکھا تھا 8 سال بعد واپس آیا اور بیوی بچے کو بھی لے گیا مگر کچھ عرصہ آتا جاتا رہا اور بالآخر پچھلے 50 سال سے مستقل اپنے ذاتی گھر میں مقیم ہے. الاٹ ہوا گھر ماں نے فروخت کر دیا اور دوسرے خاوند کے بچوں کے ساتھ نئے بنگلوں میں رہائش پذیر ہوگئی اور بالآخر دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ امید ہے آپ لوگوں کو پہلے وزیرِ اعظم کے قتل کے بارے کچھ تو سمجھ آئی ہو گی؟ لیاقت علی خان کو جس نے شہید کیا اس قاتل کی بیوہ کو وظیفہ دیا جاتا رہا اور وزیر اعظم لیاقت علی خان کی بیوہ رعنا لیاقت علی خان کی پینشن حکومت پاکستان کی جانب سے روک دی گئی. قاتل سید اکبر کے بیٹے امریکہ گئے اور وہاں کاروبار کر کے کروڑ پتی بنے، جبکہ بھارت میں ہزاروں ایکڑ زرعی زمین سینکڑوں ملازم اور کروڑوں روپے ملک پاکستان کی خاطر ٹھکرا کر ہجرت کرنے والے نواب لیاقت علی خان کے بچے ان کی شہادت کے بعد سکول کی فیسوں اور روٹی کے چند نوالوں کو ترستے رہے۔ سید اکبر کو قتل کر کے کیس ختم خراب کرنے والے ڈی ایس پی کو خانیوال میں مخدوم پور پہوڑاں روڈ پر ایک چک میں 10 مربع زرعی اراضی سے نوازا گیا۔ اسکی اولادیں بھی آج عیش کر رہی ہیں۔ کس شخصیت کی ایماء پر قائداعظم کی بہن کو جلوسوں میں نازیبا الفاظ سے نوازا گیا قوم اب کھوجتی ہے پرکھتی ہے اور سمجھتی ہے اور آخر میں یہ بتاتا چلوں کہ لیاقت علی خان کو جب شہید کیا گیا تو وزیر اعظم پاکستان تھے مگر انکی شیروانی کے نیچے موجود بنیان کئی جگہ سے پھٹی ہوی تھی. اس تحریر میں غور وفکر کرنے والوں کیلئے بہت نشانیاں ہیں....

آفتابیات

- خوشی کا منبع انسان کا اپنا وجود ہے۔ دل کا نہاں خانہ جب غم سے ناتا جوڑ لے تو نہ ہی کوئی موسم پیارا لگتا ہے اور نہ ہی کوئی رشتہ خوبصورتی کے معیار پر پورا اترتا ہے اور یہی دل جب مسرت کی قلقاریوں میں غوطہ زن ہو کر قہقہوں کی سرزمین سجاتا ہے تو خزاں کے تن پر بھی بہار کا پھول رقصاں ہو جاتا ہے۔ دل کی کیفیات عمل سے ردِعمل کو جنم دینے کا ہنر جانتی ہیں اسی لیے تو کبھی کبھی دنیا دھوکہ لگتی ہے اور کبھی کبھی خوبصورتی کا وہ مرقع بن جاتی جو دنیا کو جنت کا عکس بنا دیتی ہے۔

- عاشرتی انحطاط تب پیدا ہوتا ہے جب زندگی کا ہر شعبہ دکھاوے کے چلن پر مشتمل ہو۔ جب سوچ کے زنگ عملی شکل میں نظر آنے لگیں جب شاعر، ادیب اور لکھاری قلم کو بیچ دیں جب استاد تعلیم اور علم پر سمجھوتا کر کے تجارت اپنا لے اور تاجر عقل کی کھوٹ سے رزق کا بیوپار شروع کر دے۔ جب قاضی انصاف کو بیچ کر عدل کی کالی پٹی عوام کی آنکھوں پر باندھ دے جب حاکم وقت خدمت کو ذاتی لونڈی سمجھ کر لوگوں سے منہ موڑ لے۔ اور جب

محافظ عزتوں کو پامال کرنا شروع کردیں تو اس معاشرے میں صرف جھوٹ اور دروغ گوئی کی جیت ہوگی سچ کتابوں میں تو چمکدار حروف میں نظر آئے گا لیکن حقیقت میں معاشرتی، اخلاقی، عقلی، سیاسی، مذہبی اور فکری وشعوری انحطاط سچ کی گردن پر پاؤں رکھ کر فاتح زمانہ بن جائے گا۔

- وقت کی رفتار کو روکا یا تھاما نہیں جاسکتا اور نہ ہی اس سے جڑے واقعات کو اپنی مرضی سے کسی خاص سمت میں موڑا جاسکتا ہے۔ اختیار کی وہ قوت جو انسان کی ہستی میں ودیعت کی گئی ہے اصل میں وقت کے سمندر سے چند قطروں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی وہ جستجو ہے جن کو سمیٹتے سمیٹتے زندگی کی وسعت کم پڑ جاتی ہے اور تبھی کسی ان دیکھی راہ کا چپکے سے بلاوا آجاتا ہے۔ حقیقت میں سال گزرنے کا احساس تب ہوتا ہے جب بالوں کی چاندی عمر کے ڈھلنے کے ساتھ اس طرح پیوست ہوجاتی ہے کہ آنے والا ہر لمحہ گزرے ہوئے لمحے کی موت کا اعلان کرتا چلا جاتا ہے تبھی وقت کی ریکھاؤں پر جو دھندلا سا نقش ابھرے اسے اپنا نصیب سمجھنا چاہیے۔

- سجدہ انسان کو جھکنے کا طریق سکھاتا ہے لیکن تکبر والا انسان جھک تو سکتا ہے سجدہ نہیں کرسکتا کیوں کہ سجدے کے لیے وہ عاجزی درکار ہے جو درویش کو خاک نشین کرکے دل کو آسمانی تخت عطا کرتی ہے۔ جس سے روح کا پیالہ عشق کی شراب سے مخمور ہوجاتا ہے۔ جو فقر کو یقین کا درد کھا کر وجد کی کیفیت کو خود پہ طاری کردینے کا طریق سکھاتی ہے۔ جو میں سے تُو کو نکال کر انا الحق کا نعرہ اس طرح لگاتی ہے کہ جسم کی رگ رگ سے نعرۂ مستانہ بلند ہوتا ہے۔ اور جب اس نعرے کا رنگ خیال کی دنیا کو جگا دے تو سولی پر بھی زبان اسی کا ورد کرتی ہے۔

- روزہ نیت کے اس ستون سے بندھا ہوا ہے جو عمل سے وابستہ ہے کچھ لوگ اپنا وزن کم کرنے کی نیت سے روزہ رکھتے ہیں یعنی بخشش کے سمندر سے پیاسے لوٹنا چاہتے ہیں یعنی سلطان الفلاک کے دربار پر دستک دیے بغیر پلٹنا چاہتے ہیں نیت کو ہمیشہ درست رکھنا چاہیے خدا اپنے بندے کو کیسی کیسی نعمتوں سے سرفراز کرنا چاہتا ہے ہمیں اس کا ادراک نہیں ہے۔ روزے کی فضیلت کو بدنی عمل سے اسی لیے جوڑا گیا ہیکہ جسمانی تربیت کا عمل بھی جاری رہے اور روحانی تربیت بھی ساتھ ہوتی رہے۔ نیت کے ستون سے عمل کا حلقہ وابستہ ہے اس لیے نیت کو خدا کی رضا سے باندھ دیں افضال کا وعدہ وہ پورا کرے گا۔

سکون قلب

مبشر شہزاد، گلاسگو

ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے ایک انٹرویو میں، میزبان نے اپنے ایک مہمان سے پوچھا، جو ارب پتی تھا: آپ کی زندگی جدوجہد کی داستانوں سے عبارت ہے، آپ امیر ترین شخص ہیں، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کے نزدیک خوشی کے کیا معنی ہیں؟ ارب پتی مہمان نے کہا: حقیقی خوشی تک پہنچنے کے لیے میں اپنی زندگی کے چار مراحل سے گزرا ہوں، یہاں تک کہ مجھے حقیقی خوشی کا مطلب معلوم ہوگیا۔ میزبان نے پھر سوال کیا، کیا آپ ہمیں ان مراحل کے بارے میں بتا سکتے ہیں؟ مہمان نے بتانا شروع کیا: پہلا مرحلہ چیزوں کے حصول کا تھا۔ ہر چیز دسترس میں ہونے کے باوجود مجھے وہ خوشی نہیں ملی جو میں چاہتا تھا۔ دوسرا مرحلہ سب سے مہنگی چیز کا حصول تھا۔ لیکن اس مرحلے پر بھی میں نے محسوس کیا کہ مہنگی سے مہنگی چیز کا پاس ہونا بھی محض عارضی خوشی ہے، ہر چیز حتیٰ کہ سونے کی چمک بھی تیزی سے ماند پڑ جاتی ہے۔ تیسرا مرحلہ بڑے بڑے کاروباری منصوبوں کا مالک بننا تھا۔ جیسے فٹ بال ٹیم خریدنا، یا کوئی سیاحتی مقام خرید لینا، لیکن اس مرحلے پر بھی مجھے وہ خوشی نہیں ملی جس کا میں نے تصور باندھ رکھا تھا۔ چوتھا مرحلہ میرے کاروباری معاملات سے ہٹ کر تھا، ہوا یوں کہ میرے ایک دوست نے مجھ سے معذور بچوں کے ایک گروپ کے لیے وہیل چیئر خریدنے کو کہا۔ دراصل اس مرحلے کی ابتداء معمول کے مطابق تھی، جیسے ہی میرے دوست نے مدد کے لیے کہا، میں نے فوری طور پر کرسیوں کی خریداری کے لیے بڑی رقم عطیہ کر دی۔ لیکن میرے دوست نے اصرار کیا کہ میں اس کے ساتھ جاؤں اور بچوں کو یہ تحفہ خود اپنے ہاتھ سے پیش کروں اپنے دوست کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ معذور افراد کو جب وہیل چیئر دیں تو اس گروپ میں چند بچے بھی تھے، ان کے چہروں پر اس لمحے بڑی خوشی دیکھی کہ کس طرح وہ ان وہیل چیئر پر بیٹھ کر اپنی مرضی سے ادھر ادھر بلکہ ہر طرف گھومتے ہوئے یوں قہقہے لگا کر ہنس رہے تھے جیسے وہ کسی تفریحی پارک میں ہوں۔ آپ شاید سوچ رہے ہوں کہ میں اپنی نیکی اور ان ننھے فرشتوں کو خوش دیکھ حقیقی خوشی کو محسوس کرنے لگ گیا تھا، لیکن ایسا نہیں تھا۔ مہمان نے میزبان کو کہا۔ لیکن جس چیز نے میرے دل میں حقیقی خوشی کا دیا جلا کر روشنی بھر دی وہ اس سارے منظر سے یکسر مختلف ایک منظر تھا، ہوا یوں کہ جیسے ہی میں اسٹیج سے اتر کر باہر جانے والے

رستے کی طرف بڑھا تو کسی نے لپک کر میری ٹانگ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہیل چیئر پر بیٹھے ایک بچے نے میری ٹانگ کو پکڑ رکھا تھا، میں نے آہستہ سے اس کے ہاتھ سے اپنی ٹانگ چھڑانے کی کوشش کی، لیکن وہ اسے مضبوطی سے تھامے رہا اور اس دوران اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے جھک کر اس سے پوچھا: کیا تم میرے جانے سے پہلے مجھ سے کچھ اور مدد چاہتے ہو؟ چونکا دینے والا جواب تھا جس سے مجھے حقیقی خوشی کا مطلب معلوم ہوا اور میری زندگی بالکل بدل گئی۔ اس نے مجھے بتایا ''میں جی بھر کر آپ کے چہرے کو دیکھنا چاہتا ہوں'' میں نے نرمی سے پوچھا: کیوں، میرے چہرے میں ایسی کیا خاص بات ہے؟ وہ بچہ کہنے لگا میں آپ کے چہرے کے خدوخال کو اپنی بصارت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنا چاہتا ہوں تاکہ جب آپ سے جنت میں ملاقات ہو تو میں آپ کو پہلی نظر میں پہچان لوں، اور وہاں اپنے رب کے حضور آپ کا ایک بار پھر سے شکریہ ادا کر سکوں۔عربی بلاگ سے لیے گئے مضمون کا اردو ترجمہ اس ماہ رمضان میں کوشش کیجیے کہ آپ کے اردگرد بسنے والے سفید پوش ضرورتمند لوگوں کو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔ پوری دنیا بدلنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے،لیکن کسی ایک کی پوری دنیا ہم ضرور بدل سکتے ہیں۔

ناز خیالوی

پیدائش: ان کا اصل نام محمد صدیق اور تخلص ناز تھا۔ ناز خیالوی ''جھوک خیالی'' نامی ایک گاؤں 394 گ ب میں 1947ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے انھیں خیالوی کہا جاتا ہے۔ جھوک خیالی گاؤں ضلع فیصل آباد، صوبہ پنجاب، پاکستان میں تاندلیانوالہ کے نزدیک اور لاہور سے 174 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ شاگردی: وہ ایک ممتاز اردو شاعر احسان دانش کے ایک شاگرد تھے۔ ذریعہ معاش: ناز کا ذریعہ معاش فیصل آباد ریڈیو سے نشر ہونے والا ایک پروگرام ''صندل دھرتی'' تھا، جس کی میزبانی وہ 27 برس تک کرتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اردو اور پنجابی، دونوں زبانوں میں نغمے لکھے۔ شہرت: ناز بنیادی طور پر ان کی ایک نظم ''تم اک گورکھ دھندا ہو''، جسے نصرت فتح علی خان نے گایا تھا، کی نسبت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی کچھ نظمیں عطاء اللہ نیازی نے بھی گا رکھی ہیں۔ کلام: ناز کی شاعری دو مجموعوں پر مشتمل ہے۔ تم اک گورکھ دھندا ہو (اردو) سائیاں وے (پنجابی) وفات: انہوں نے شادی نہیں کی اور 12 دسمبر 2010ء کو ماموں کانجن (پنجاب) اپنے مرشد خانہ پاکستان میں وفات پائی۔

پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سیاسی جلسہ

حافظ شفیق الرحمن

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے تمام سابقہ ریکارڈ ز ٹوٹ گئے۔۔۔ لاکھوں شہریوں کی شرکت۔۔۔ ڈنڈوں، بندوقوں کی نالیوں اور سنگینوں کے سائے میں سر بہ کف لاہوری مینار پاکستان پہنچے۔۔۔ بحمد للہ فسطائیت اور جبر کا بت ریزہ ریزہ ہو چکا۔۔۔ پی ڈی ایم کی مافیائی حکومت کے سہولت کار جمہوریت وششدر۔۔۔ طالع آزما اور مہم انگشت دردیاں ثابت ہو گیا کوئی جنرل ورنل۔۔۔ کوئی وزیر شزیر۔۔۔ کوئی آئی جی وائی جی، کوئی نگران شیطان وزیر اعلی،،، کوئی پولس، وولس۔۔۔ کوئی بارود وارود اور کوئی بندوق شندوق عمران خان اور اس کے چاہنے والے کروڑوں مجاہد شہریوں کا راستہ نہیں روک سکتی۔ روشنی کی لہر، خوشبو کی لپٹ اور سونامی کے تھپیڑوں کا راستہ کب کوئی روک سکتا ہے۔ اگر کوئی بھی مقتدر اور طاقتور ادارہ روکنے کی سکت رکھتا تو گزشتہ شب رات گئے بلکہ سحری تک مینار پاکستان میں تحریک حقیقی آزادی کے لاکھوں مجاہدین موجود نہ ہوتے۔ جرنیل شاہی اب بھی سیاست بازی سے باز آجائے۔ وہ بیرکوں تک محدود رہیں یا بارڈرز اور ایل او سی پار کر کے بھارت کو ناکوں چنے چبوائے۔ اپنے ہی شہروں کو فتح کر کے بغلیں اور شادیانے نہ بجائیں۔ سوچو تو سہی۔۔۔ دیکھو تو سہی، تم نے اس جلسے کو ناکام بنانے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے۔۔۔ کیا پاپڑ نہیں بیلے۔۔۔ کیا جابرانہ اور ظالمانہ حربے استعمال نہیں کیے۔۔۔ تم نے لاہور کے شہریوں کو لاکھ روکنا چاہا، لیکن۔۔۔ وہ درانہ وار گھروں سے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کی آیت کریمہ پڑھتے ہوئے نکلے اور تمام رکاوٹوں کو چیتے کی طرح زقند لگا کر پھلانگنے میں کامیاب رہے۔ افطاری کے بعد دیکھتی آنکھوں مینار پاکستان کا سبزہ زاران کے استقبال کے لیے فرش پا انداز نظر آیا۔ اور گھنٹوں فضائیں ان کے ایمان پرور اور پرجوش نعروں سے گونجتی رہیں۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ.... تیرا میرا رشتہ کیا۔ لا الہ الا اللہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سیاسی اجتماع۔۔۔ ماضی کے تمام ریکارڈ ٹوٹ چکے۔ حالانکہ پنجاب کو بالعموم مقبوضہ کشمیر اور فلسطین اور لاہور کو بالخصوص سری نگر اور غزہ کی پٹی بنا دیا گیا۔ صرف لاہور کی شاہراہوں پر ہزاروں دیوقامت

کنٹینر کھڑے کئے گئے تھے۔۔۔پنجاب پولیس کے بھیس میں چاروں صوبوں اور سکیورٹی فورسز کے آتشیں ہتھیاروں سے مسلح لاتعداد دستوں کی تعیناتی کے باوجود زندہ دلان لاہور لاکھوں کی تعداد میں نماز تراویح کے فوری بعد پیدل مینار پاکستان پہنچے۔وہ رکے نہیں۔وہ جھکے نہیں۔وہ جھجکے نہیں۔وہ ٹھٹھکے نہیں۔۔رات ایک بجے کے بعد بھی ان کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔مینار پاکستان کا سبزہ زاران کی جبینوں سے پھوٹنے والی حرارت ایمانی کی تابانی سے بقعہ نور بنا رہا۔اور بناؤ لاہور کو ابن زیاد کا کوفہ۔۔اور کرو اقبال پارک کو امرتسر کا جلیانوالہ باغ بنانے کی منصوبہ بندی۔۔۔اور پیمرا کے ذریعے لگاؤ الیکٹرانک میڈیا پر پابندیاں۔ اور کرو سیاسی کارکنوں کی گرفتاریاں۔اور پہناؤ انہیں ہتھکڑیاں ۔۔اور کرو گھر گھر چادر اور چار دیواری کے تقدس کی پامالی۔۔۔اور کاٹو ایف آئی آرز۔۔۔ اور درج کرو بغاوت، غداری اور دہشت گردی کے مقدمے۔۔۔اور ڈالو دباؤ جوڈیشری پر اور کھڑی کرو کنٹینروں کی دیواریں۔۔۔جو چاہے کھل کھیلو۔۔۔جو چاہے سزا دے لو۔۔۔ پر عوام سے قسم لے لو۔۔ وہ چھین کے رہیں گے آزادی۔۔۔عوام بہ یک آواز للکار کر اعلان کر رہے ہیں۔

جنگ رہے گی، جنگ رہے گی حقیقی آزادی تک جنگ رہے گی
کپتان کے سنگ سنگ رہے گی حقیقی آزادی کی جنگ رہے گی

آج لاہوریوں نے 75 سالہ ہس پردہ بادشاہت کے مندر کو چکنا چور کر دیا۔شب ڈھل چکی۔۔۔سحر قریب ہے۔ساتھیوں کا سنگ ہو، صلح ہو کہ جنگ ہو....ہمیں سب پسند ہے،خون ہو کہ رنگ ہو پی ڈی ایم حکمران حیران۔۔۔ نگران وزیر اعلی تقوی پریشان۔۔۔جاتی امرہ کے در و دیوار پر لرزہ اور رعشہ طاری،،،،آیون فیلڈ میں چھپا بیٹھا قومی خزانے کا مہا ڈکیت اور سب سے بڑا دہشت گرد نواز۔کئی گھنٹوں سے بیت الخلاء میں مقید۔امیر المجاہدین عمران خان گھر سے مینار پاکستان کی جانب روانہ ہوئے تو عوام کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ منظر نامہ یہ تھا حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو....چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو پنجاب کے ہر شہر کے داخلی و خارجی راستے بند۔۔لہٰذا لاکھوں گھروں میں کروڑوں شہری اپنے اپنے موبائلز پر بول اور اے آر وائی چینل سے جلسہ کے قلب کو گرمانے اور روح کو جلا دینے والے لائیو مناظر دیکھتے رہے لاہور یے سحری تک م پیدل مینار پاکستان کی طرف رواں دواں رہے جندا، مرشد آغا شورش کاشمیری کی یاد کس روشن لمحے دل کے افق کو ضیاء ہوش کر گئی آبلہ پاؤ بیاباں ہے یہاں رُکنا غلط۔۔تلوے سہلاتے رہو چلتے رہو جھکنا۔ غلط

ساحر لدھیانوی

سراج زیبائی

ساحر لدھیانوی آسمان شعر و ادب کا ایک درخشندہ ستارہ لدھیانہ میں 1921ء کو چودھری فضل محمد کے گھرانے میں طلوع ہوا۔ساحر کی ساحرانہ شاعری کی بدولت ہر کوئی انھیں دیدہ و دل میں جگہ دیتا ہے۔ان کی کل کائنات شاعری حسن و عشق پر منحصر ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں بھرپور تغزل اور فن جمالیات کی ترجمانی کی ہے۔اپنی شاعری میں موصوف ہجر و وصال کی کیفیات کو جمالیاتی تناظر میں پوری فنکاری اور معنی خیزی اور ندرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ساحر نے اپنی ولولہ انگیز نظموں کے ذریعے ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو سنوارنے اور جلا بخشنے میں مدد دی۔فولادی ارادے اور بلند عزائم والے ساحر نے مایوسیوں میں بھی امید کی شمعیں جلائیں۔آپ کے اردگرد جاگیرداریت کا فرسودہ نظام تھا۔انگریزی سامراجیت تھی۔اس دور میں تحریک آزادی پورے شباب پر تھی انگریزوں کا ظلم و جبر زوروں پر تھا۔ان سب کا پرتو ساحر صاحب کی شاعری میں صاف دکھائی دیتا ہے۔

غزلوں کی نسبت ساحر کی نظموں کا دائرہ موضوعاتی اعتبار سے زیادہ وسیع ہے۔جب ہم آپ کے اشعار پڑھتے ہیں تو لگتا ہے کہ ساحر صاحب نے خاموش جذبوں کو قوت گویائی عطا کی ہے۔ساحر کی شاعری نے تفہیم کے نئے در وا کئے ہیں۔آپ کے ہاں الفاظ جذبات احساسات اور فکر و خیالات کو دلکش انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت ہے۔ساحر کا شعری منظر نامہ نہایت رنگا رنگ ہے۔وامق جونپوری کہتے ہیں کہ شاعری میں خیالات اتنے سیدھے سادے اور غیر پیچیدہ ہوں کہ ہر شخص ان کو بآسانی سمجھ سکے۔اسی کا نام اچھی شاعری ہے۔اس حوالے سے ساحر صاحب کی شاعری منفرد اسلوب و آہنگ کے لحاظ سے بہت ہی عمدہ اور سلیس ہوتی ہے جو دلوں میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتی ہے۔

آپ کے اشعار کاغذ میں بھی اتنے ہی اچھے لگتے ہیں جتنے سننے میں بھلے لگتے ہیں جناب ساحر قدیم و جدید علوم و فنون اور فلسفہ پر بھرپور دسترس رکھنے والے ایک جینئس شاعر تھے جن کے یہاں فکر کی گہرائی اور جذبے کی صداقت تھی۔ساحر صاحب اپنی شاعری میں ایسے ان کہے مضامین ادا کرتے تھے جن کو پڑھ کر آپ کے تخلیقی ذہن کی ہمہ گیریت کا احساس ہوتا ہے۔جناب ساحر کی شاعری نئی سوچ

اور نئی لفظیات کی شاعری ہے۔ دنیا کے حادثوں اور تجربوں کو اپنی شاعری میں نہایت سلیقے سے پیش کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

ساحر صاحب کو بحر علوم و معانی کا غواص کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا آپ کے اشعار قاری کے لئے ایک متاع بے بہا کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں نئے فکر و فن کی دریافت بے مثل ہے۔ محبوب کے حسن و جمال بے خودی و سرمستی کا اظہار اپنے اس فلمی نغمے میں یوں کرتے ہیں۔

چھو لینے دو نازک ہونٹوں کو کچھ اور نہیں ہے جام ہے یہ
قدرت نے جو ہم کو بخشا ہے وہ سب سے حسیں انعام ہے یہ

ساحر کی تقریباً پوری شاعری میں حسن و عشق کی حلاوت ملتی ہے جمالیاتی و رومانی فرحت و انبساط کی لذتیں میسر ہوتی ہیں۔

جس گھڑی میری نگاہوں کو تری دید ہوئی
وہ گھڑی میرے لئے عیش کی تمہید ہوئی
جب کبھی میں نے ترا چاند سا چہرہ دیکھا
عید ہو یا کہ نہ ہو میرے لئے عید ہوئی

اس طرح آپ کے نغموں کی سحر انگیزی ہمارے دلوں کو چھو لیتی ہے۔ آپ کی کائنات شاعری میں کلی طور پر جمالیاتی فضا جلوہ گر ہے۔ آپ کے اشعار میں تخیل کی اڑان اور جذبے کی شدت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ساحر صاحب کے شعری مجموعوں کی شاعری زندگی کے اعتراف کی صورت میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔

جسم کی موت کوئی موت نہیں ہوتی ہے
جسم مر جانے سے انسان نہیں مر جاتے
دھڑکنیں رکنے سے ارمان نہیں مر جاتے
ہونٹ جم جانے سے فرمان نہیں مر جاتے
جسم کی موت کوئی موت نہیں ہوتی ہے

جناب ساحر کی اہم خصوصیات میں سے ایک امیجری بھی ہے جس نے ان کی شاعری کو جمالیاتی اعتبار سے پرکشش بنا دیا ہے۔ زندگی کرب ناک ہونے کے باوجود کس درجہ دلکش ہے اس کا احساس ساحر صاحب کے اشعار پڑھ کر ہوتا ہے جو زندگی سے مایوس و افسردہ ہیں انھیں ساحر یوں کہتے ہیں۔

رات بھر کا ہے مہماں اندھیرا۔کس کے روکے رکا ہے سویرا
یوں ہی دنیا میں آکر نہ جانا۔صرف آنسو بہا کر نہ جانا
مسکراہٹ پہ بھی حق ہے تیرا

ساحر صاحب کی شاعری میں اصل چیز جس کی توصیف کی جاتی ہے وہ ان کا منفرد لہجہ ہے جو اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی نوعیت کی بناء پر ساحر صاحب کی شاعری نے پوری ادبی بستیوں میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ ایسی شاعری کے لئے تمام لوازمات شاعری درکار ہوتے ہیں جیسے زبان دانی اسلوب و آہنگ جدت و ندرت۔ یہ تمام چیزیں موصوف کے ہاں توازن کے ساتھ جمع ہوگئی ہیں۔ غزلوں سے زیادہ ساحر صاحب کو نظمیں لکھنے میں مزہ آتا تھا۔ آپ کی ساری ہی نظمیں نہایت دلکش اور پرکشش ہوا کرتی ہیں۔ لفظیات کو برتنے کا پورا سلیقہ آپ میں موجود تھا۔ آپ نے لفظوں کی برت میں کبھی بھی اصراف سے کام نہیں لیا۔ جبھی تو آپ کی شاعری اونچی سطحوں سے آنکھ ملاتی نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنے تخلیقی ضمیر کو بھی اپنا رہنما بنا لیا تھا اور اپنی عمدہ شاعری کے ذریعے یہ ثابت کر دیا تھا کہ فلمی شاعری بھی سطحیت سے عاری نہیں ہوتی بلکہ اسمیں بھی اعلی معیار کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ ہم جب ساحر صاحب کا کلام پڑھتے ہیں تو ہمیں ایک تخلیقی مسرت میسر ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جہاں جہاں تری نظروں کی اوس ٹپکی تھی
وہاں وہاں سے ابھی تک غبار اٹھتا ہے
جہاں جہاں ترے جلووں کے پھول بکھرے تھے
وہاں وہاں دل وحشی پکار اٹھتا ہے
اور پھر ایک نظم کا یہ حصہ
تپتے دل پر یوں گرتی ہے
تیری نظر سے پیار کی شبنم
جلتے ہوئے جنگل پر جیسے
برکھا برسے رک رک تھم تھم

آپ کی شاعری میں صداقت پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ رمز و کنایہ و اشارہ یہ سب کچھ آپ کی شاعری میں بڑے سلیقے سے استعمال ہوئے ہیں۔ آپ کے موضوعات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ آپ کی فکر بھی توانا ہے۔ آپ کی شاعری جب ہمیں حسن و عشق کی داستانیں سناتی ہے تو ہمارے

ذہن وروح کو سرمستی وسرشاری عطا ہوتی ہے اور ہم اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں:

چہرے پہ خوشی چھا جاتی ہے آنکھوں میں سرور آ جاتا ہے
جب تم مجھے اپنا کہتے ہو اپنے پہ غرور آ جاتا ہے
جب تم سے محبت کی ہم نے تب جا کے کہیں یہ راز کھلا
مرنے کا سلیقہ آتے ہی جینے کا شعور آ جاتا ہے

ساحر صاحب کی شاعری میں اصل چیز جس کی توصیف کی جاتی ہے وہ ان کا منفرد لہجہ ہے جو اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی نوعیت کی بناء پر ساحر صاحب کی شاعری نے پوری ادبی بستیوں میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ ایسی شاعری کے لئے تمام لوازمات شاعری درکار ہوتے ہیں جیسے زبان دانی اسلوب وآہنگ جدت وندرت۔ یہ تمام چیزیں موصوف کے ہاں توازن کے ساتھ جمع ہوگئی ہیں۔ غزلوں سے زیادہ ساحر صاحب کو نظمیں لکھنے میں مزہ آتا تھا۔ آپ کی ساری ہی نظمیں نہایت دلکش اور پر کشش ہوا کرتی ہیں۔ لفظیات کو برتنے کا پورا سلیقہ آپ میں موجود تھا۔ آپ نے لفظوں کی برت میں کبھی بھی اصراف سے کام نہیں لیا۔ جبھی تو آپ کی شاعری اونچی سطحوں سے آنکھ ملاتی نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنے تخلیقی ضمیر کو بھی اپنا رہنما بنالیا تھا اور اپنی عمدہ شاعری کے ذریعے یہ ثابت کر دیا تھا کہ فلمی شاعری بھی سطحیت سے عاری نہیں ہوتی بلکہ اسمیں بھی اعلی معیار کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

ہم جب ساحر صاحب کا کلام پڑھتے ہیں تو ہمیں ایک تخلیقی مسرت میسر ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جہاں جہاں تری نظروں کی اوس ٹپکی تھی
وہاں وہاں سے ابھی تک غبار اٹھتا ہے
جہاں جہاں ترے جلووں کے پھول بکھرے تھے
وہاں وہاں دل وحشی پکار اٹھتا ہے

اور پھر ایک نظم کا یہ حصہ۔۔

تپتے دل پر یوں گرتی ہے
تیری نظر سے پیار کی شبنم
جلتے ہوئے جنگل پر جیسے
برکھا برسے رک رک تھم تھم

آپ کی شاعری میں صداقت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ رمز وکنایہ واشارہ یہ سب کچھ آپ کی شاعری میں بڑے سلیقے سے استعمال ہوئے ہیں۔ آپ کے موضوعات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ آپ کی فکر بھی توانا ہے۔ آپ کی شاعری جب ہمیں حسن وعشق کی داستانیں سناتی ہے تو ہمارے ذہن وروح کو سرمستی وسرشاری عطا ہوتی ہے اور ہم اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

چہرے پہ خوشی چھا جاتی ہے آنکھوں میں سرور آ جاتا ہے
جب تم مجھے اپنا کہتے ہو اپنے پہ غرور آ جاتا ہے
جب تم سے محبت کی ہم نے تب جا کے کہیں یہ راز کھلا
مرنے کا سلیقہ آتے ہی جینے کا شعور آجاتا ہے

شروعات ہی سے ساحر لدھیانوی ہمارے محبوب شاعر رہے ہیں۔ منفرد لب ولہجہ اور نئے اسلوب وآہنگ کے اعتبار سے تو ساحر صاحب جیسا کوئی دوسرا اس پردہء زنگاری میں نظر نہیں آیا۔ حالاں کہ آپ نے خود کہا تھا۔

کل اور آئیں گے نغموں کی کھلتی کلیاں چننے والے
مجھ سے بہتر کہنے والے تم سے بہتر سننے والے
کل کوئی مجھ کو یاد کرے کیوں کوئی مجھ کو یاد کرے
مصروف زمانہ میرے لئے کیوں وقت اپنا برباد کرے

آپ نے فلمی دنیا میں رہ کر بھی کبھی ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ ایک بار آپ نے کوئی نغمہ لکھ دیا تو وہی حرف آخر کہلاتا تھا۔ ڈائرکٹر یا کہانی نویس کو اس میں مزید ترمیم کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ کیوں کہ آپ کا طرز اظہار اس قدر دل نشیں اور لہجہ اس قدر نرالا ہوتا تھا۔ ساحر کے دور میں ادبی افکار پر جان چھڑکنے والوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے جاں نثار اختر مجروح سلطانپوری اختر الایمان کیفی اعظمی شکیل بدایونی جیسے شعراء کے فلمی نغمے بھی دلچسپی اور قدر کے ساتھ سنے جاتے تھے۔

ساحر صاحب کا کلام عصر حاضر کے مسائل اور سماجی حالات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ آپ کے نغموں میں ہمیں زندگی کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں اور شب وروز کی سچی تصویریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ ہر شاعر سے الگ تھلگ اپنا خاص اور منفرد لہجہ اپنایا ہے جس کی بدولت کلام پڑھتے سے موصوف کی صحیح شناخت ہو جاتی ہے۔ آپ کے کلام میں معنویت اشاریت اور رومانیت کی چاشنی بھی بھرپور ہوتی ہے۔ آپ کا جداگانہ اسلوب اور سوچ کا انفرادی رنگ بھی شدت سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

ان کے رخسار پہ ڈھلتے ہوئے آنسو توبہ
میں نے شبنم کو بھی شعلوں پہ مچلتے دیکھا
حیات اک مستقل غم کے سوا کچھ بھی نہیں شاید
خوشی بھی یاد آتی ہے تو آنسو بن کے آتی ہے

آپ کی نظموں میں ہمیں ایک تڑپ اور اضطراب کی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔آپ کی شاعری کی ایک اہم خوبی یہ ہوتی ہے کہ آپ کے برتے گئے الفاظ نہایت سلیس اور سادہ ہوا کرتے ہیں اور قاری کو نئی لذتوں سے آشنا کرتے ہیں۔ جناب ساحر اپنی شاعری میں زندگی کے حقائق کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سننے اور پڑھنے والوں کو ان کی اپنی ہی داستان معلوم ہوتی ہے۔یہ اشعار دیکھیں۔

دیکھا ہے زندگی کو کچھ اتنے قریب سے
چہرے تمام لگنے لگے ہیں عجیب سے
اس طرح زندگی نے دیا ہے ہمارا ساتھ
جیسے کوئی نباہ رہا ہو رقیب سے
تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں
ہزار برق گرے لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں
دنیا کی نگاہوں میں بھلا کیا ہے برا کیا
یہ بوجھ اگر دل سے اتر جائے تو اچھا
بربادیوں کا سوگ منانا فضول تھا
بربادیوں کا جشن منانا چلا گیا

اپنی شاعری میں ساحر صاحب نے عورت کی عزت و ناموس کی حمایت کی اور فلموں میں بھی عورت پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کی۔آپ میں جو اخلاص و مروت ہے وہی آپ کی شاعری پر بھی منعکس ہے۔ایک بار پڑھتے ہی سب کے دلوں میں نقش ہو جاتی ہے۔

ایک سچے شاعر ہونے کے ناتے ساحر صاحب نے اپنی شاعری میں اپنی انفرادیت کے نقش ابھارے ہیں۔جس میں زندگی کی قوت اور رومانیت کا خوبصورت امتزاج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ساحر صاحب کے چند منفرد اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں جنھیں پڑھ کر عجب سا سرور اور وجدانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔یہ اس لئے کہ ان میں فن کارانہ شعریت اور تغزل کی بھرپور چاشنی ملتی ہے۔

لے دے کے اپنے پاس فقط اک نظر تو ہے
کیوں دیکھیں زندگی کو کسی کی نظر سے ہم
نہ منہ چھپا کے جیئے اور نہ سر جھکا کے جیئے
ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جیئے
اب ایک رات اگر کم جیئے تو کم ہی سہی
یہی بہت ہے کہ ہم مشعلیں جلا کے جیئے
ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنا کے سہارے جی لیا میں نے

ساحر صاحب کے ایسے کئی نمائندہ اشعار ہیں جو ادب میں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔بے اعتبار سماج کے کھوکھلے پن کے خلاف احتجاج کرتی آپ کی شاعری ہمارے دلوں میں اپنا خاص مقام بنا لیتی ہے۔آپ کی شعری تصانیف میں کئی ایسی نظمیں بھی ہیں جو کئی فلموں کے لئے ریکارڈ ہوئیں اور کافی مقبول ہوئیں جیسے

عورت نے جنم دیا مردوں کو (سادھنا)
کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے (کبھی کبھی)
جنھیں ناز ہے ہند پر وہ کہاں ہیں (پیاسا)
وہ صبح کبھی تو آئے گی (پھر صبح ہوگی)
چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں (گمراہ)
لوگ عورت کو فقط جسم سمجھ لیتے ہیں (انصاف کا ترازو)

اس طرح اور کئی نظمیں ہیں جنھیں فلموں میں ہو بہو استعمال کیا گیا۔

فلم انڈسٹری میں جو مقبولیت اور ہر دلعزیزی جناب ساحر کے حصے میں آئی وہ کسی بھی فلمی نغمہ نگار کو نصیب نہیں ہوئی۔جناب ساحر کو پدم شری ایوارڈ سے بھی نوازا گیا اور کئی فلم فیئر اور اسکرین ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا گیا۔خوشی کی بات یہ ہے کہ ساحر صاحب کو مقبولیت اس قدر ملی کہ آپ کو فلم انڈسٹری میں ''شہزادہ'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔طالب علمی کے زمانے میں ہی آپ کا پہلا شعری مجموعہ ''تلخیاں'' شائع ہو کر اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ان کی شعری تصانیف کے ترجمے ہندی کے علاوہ عربی فارسی انگریزی فرانسیسی روسی زبانوں میں شائع ہو کر کافی مقبول ہوئے۔

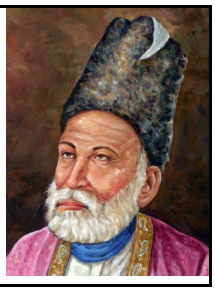

غالب کا تصورِ رقیب

حمد عدیل شیرازیؔ

رقیب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی حریف، محافظ ونگہبان اور ہم چشم کے ہیں؛ گویا عاشق کے محبوب کو اس کے سوا کوئی اور چاہنے والا شخص یا ہر وہ شے یا وجود ہے جو عاشق کو اس کے محبوب سے ملنے کے درمیان حائل ہو۔ اردو شاعری میں رقیب کا بیان ایک روایتی موضوع ہے۔ اس موضوع کو کلاسیکی اردو شاعری میں تمام غزل گو شعرا نے پیش کیا ہے۔

رقیبوں سے سر جوڑ بیٹھو ہو کیونکر
ہمیں تو نہیں دیتے تک پاؤں چھونے
(میر تقی میر)

رقیب کے لیے شاعری میں غیر عدو بوالہوس وغیرہ کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ چوں کہ شاعری میں عشق و عاشقی کے متعلق مضامین باندھے جاتے ہیں، لہذا غالب کے ہاں بھی یہ روایتی موضوع در آیا ہے۔ غالب بھی ہمیں اسی ڈگر پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ غالب انفرادیت پسند تھے، اور وبائے عام میں مرنا انہیں قبول نہیں تھا۔ رقیب کے حوالے سے روایت کے قرینوں کے مطابق: غالب کے چند اشعار دیکھئے:۔

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی مُنہ میں زبان ہے

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

کتنے شیریں ہیں تیرے لب! کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کیے

در پردہ اُنھیں غیر سے ہے ربط نہانی
ظاہر کا پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

غالب اس روایتی ڈگر پر زیادہ دیر نہ چل سکے اور جس طرح انہوں نے تمام موضوعات میں جدتِ بیان اور جدتِ خیال سے کام لیا اسی طرح انہوں نے اس موضوع پر بھی جدت اور انفرادیت دکھائی۔ لکیر کا فقیر بننا ان کی فطرت کے منافی تھا۔ غالب کہی ہوئی باتوں کا زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ غالب نے ان اشعار میں رقیب کے جن جن پہلوؤں کا ذکر کیا ہے وہ نئے ہیں:

رات کے وقت مے پیے، ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے! پر نہ کرے خدا کہ یوں

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تُم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے، نفسِ عطر سائے گُل

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبّت ہی سہی

مولانا غلام رسول مہر اِس شعر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''شاعر کا مقصود یہ ہے کہ محبوب سے محبت نہ کرنا اپنے سے دشمنی ہے، لہٰذا وہ کہتا ہے کہ ہم اپنے دشمن نہیں گویا اگر تو سمجھتا ہے کہ غیر کو تجھ سے محبّت ہے تو ہماری محبت کا بھی یقین ہونا چاہیے، کیونکہ اگر تجھ سے محبت نہ کی جائے تو وہ اپنے سے دشمنی ہوگی۔ جن اصحاب نے اس شعر کا مطلب یہ سمجھا کہ اگر تجھے غیر کی محبت کا یقین ہو گیا ہے تو ہم تجھ سے محبت کر کے اپنے ساتھ دشمنی کیوں کریں۔ انہوں نے مرزا کے اسلوبِ بیان پر پورا غور نہیں کیا اور دوسرے مصرعے کا مفہوم ٹھیک ذہن نشین نہیں فرمایا۔ ان کا بیان کردہ مفہوم آدابِ عشق کے اعتبار سے سراسر نازیبا ہے، اور مرزا غالب سے ایسا مفہوم منسوب ہی نہیں کیا جا سکتا۔''

(نوائے سروش، ص 491، 492)

غالب دوسرے شعرائے اردو کے برعکس اس مضمون کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کرتے ہیں اور ان کے دیوان میں بعض شعر ایسے ہیں جن میں احساس برتری موجود ہے اور رقیب کے مقابلے میں اپنی ذات کو برتر رکھنے کا جذبہ کار فرما ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اشعار میں بے کسی و بے بسی کے بجائے قوت، جوش اور تندو تیزی ہے:

دیا ہے دِل اگر اس کو، بشر ہے کیا کہیے
ہوا رقیب تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے

بچتے نہیں مواخذہ ء روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

غیر کو یا رب وہ کیوں کر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

عام طور پر عاشق جب اپنے محبوب کے مُنہ سے رقیب کے بارے میں ناگوار جملے سنتا ہے اور اس کا محبوب رقیب کی طرف غصے سے دیکھتا ہے تو عاشق کا دل شاد ہوجاتا ہے، لیکن غالب اس موقع پر رقیب کے موضوع کو نئے طرز اور نئے زاویہ نگاہ سے پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی گوارا نہیں کرتے کہ ان کا محبوب رقیب کو غصے سے بھی دیکھے اور اس غصے سے دیکھنے کی وجہ سے ایک ناگوار کیفیت سے گزرے:

تُو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تیری مژہ ہائے دراز دراز

غالب خوددار اور خود بین تھے۔ وہ محبت میں تذلیل کے قائل نہ تھے۔ وہ رقابت کے معاملے میں بھی خودداری، بے خوفی اور تکریم انسان کے قائل نظر آتے ہیں۔ غالب نے اپنے رقیب کی نئے نئے زاویوں سے تصویر کشی کی ہے۔ غالب کی خود بینی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے دیدہ و دل کو بھی رقیب سمجھتے ہیں اور تو اور گلوں کو بھی اپنا رقیب سمجھتے ہیں کہ پھول کبھی ہار بن کر، کبھی عطر بن کر اور کبھی گجرا بن کر ہر لحظہ محبوب کے ساتھ رہتے ہیں اور پھولوں کا عطر بھرا سانس یعنی کہ دل آویز خوشبو بھی ان کی رقیب ہے۔

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گُل

غالب کی زبانی جو بھی ان کے محبوب کے حسن و جمال کا سنتا ہے تو وہ اِس کا عاشق ہوجاتا ہے، سوراز دان بھی رقیب بن جاتا ہے:

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

آخر میں اِس موضوع کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ غالب بلا کے انفرادیت پسند تھے۔ ان کے یہاں رقیب کا کردار بظاہر اردو شاعری کی روایت کے مطابق ڈھلا ہوا نظر آتا ہے لیکن اصل میں وہ اس روایتی موضوع، کردار اور رویے پر نت نئے طریقے سے نکتہ آفرینی کرتے نظر آتے ہیں، اکثر مقامات پر رقیب کے تذکرے میں ایک لطیف شگفتہ بیانی بھی پیدا ہوجاتی ہے گویا غالب کی بطور شاعر کامیابی کا راز ان کی انفرادیت، نکتہ آفرینی اور شگفتہ بیانی ہے خواہ موضوع شعر ''رقیب'' ہی کیوں نہ ہو۔

آخر میں اِس موضوع کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ غالب بلا کے انفرادیت پسند تھے۔ ان کے یہاں رقیب کا کردار بظاہر اردو شاعری کی روایت کے مطابق ڈھلا ہوا نظر آتا ہے لیکن اصل میں وہ اس روایتی موضوع، کردار اور رویے پر نت نئے طریقے سے نکتہ آفرینی کرتے نظر آتے ہیں۔ اکثر مقامات پر رقیب کے تذکرے میں ایک لطیف شگفتہ بیانی بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ گویا غالب کی بطور شاعر کامیابی کا راز ان کی انفرادیت، نکتہ آفرینی اور شگفتہ بیانی ہے خواہ موضوع شعر ''رقیب'' ہی کیوں نہ ہو۔

رانا محمد حسن خاں

سَحَر کی پہلی کرن کیوں اُفق پہ آتی نہیں
شبِ سیاہ بھی کیوں اپنے گھر کو جاتی نہیں

مٹائی جاتی ہیں حرفِ غلط کی صورت وہ
جو خیر کے لیے قومیں قدم اٹھاتی نہیں

صُعُوبتیں و مشقت جنہیں پسند نہیں
تو ان کے واسطے دھرتی بھی گل کھلاتی نہیں

پرا نے گھر کو گرا کر نیا بنانا ہے
کہ کا ہلوں کو تو تعمیر منہ لگاتی نہیں

وہ قوم جس کو میسر نہیں کوئی رہبر
نَشاۃِ ثانی کا بِیڑا کبھی اٹھاتی نہیں

شِعار جن کا اِطاعت ہے آگ ان کی غلام
کسی بھی حال میں ان کو کبھی جلاتی نہیں

ہمیشہ حق و باطل کا بول بالا ہے
کہ جھوٹ سے کبھی سچائی مار کھاتی نہیں

رکھو خدا پہ توکل بھلائی اس میں ہے
خدا سے دوستی انسان کو رلاتی نہیں

دیا اُمید کا بجھنے نہ دینا تو بھی حسن
کہ کامیابی بزدل کو منہ لگاتی نہیں

نثری نظموں کی پہلی خاتون شاعرہ

سارہ شگفتہ۔ ازقلم۔جبیں نازاں

سارہ شگفتہ کی پیدائش 31 اکتوبر 1954ء پاکستان کے شہر گوجرنوالہ میں ہوئی بچپن ہی میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔باپ نے دوسری شادی کر لی۔ سوتیلی ماں کا سوتیلے رویے کی خلش دل میں لیے سارہ زندگی کے شب وروز گزار رہی تھیں۔ابھی آٹھویں جماعت پاس کی تھی کہ ماں نے شادی کردی۔۔شادی کے بعد اس نے تعلیم کا سلسلہ ازسرنو شروع کیا۔چوں کہ شوہر تعلیم یافتہ تھے،تعلیم کی افادیت کا انھیں بخوبی احساس تھا۔انھوں نے سارہ شگفتہ کو مواقع فراہم کیا کہ وہ اپنی تعلیم کا سلسلہ ازسرنو شروع کریں۔یہ معلومات ہمیں ایک تھی سارہ سے حاصل ہوتی ہے جسے امرتا پریتم نے لکھا تھا۔امرتا پریتم سارہ شگفتہ کی ہم خیال ہم وطن ہم زباں اور راز داں تھیں۔یہاں یہ بتاتی چلوں کہ سارہ کا خاندان ہجرت کرکے پاکستان آباد ہوا تھا تقسیم ہند کے وقت۔سارہ کی مادری زبان پنجابی تھی ایک تھی سارہ کے مطابق چندعرصے بعد شوہر کا اصل چہرہ سامنے آیا۔ سارہ کے شوہر سارہ کے ساتھ زیادتیاں کرنے لگے،پابندیاں عائد کرنا شروع کی۔چوں کہ سارہ شاعری کرنے لگی تھیں۔ان کی شہرت طول وعرض میں پھیل رہی تھی،یہ شہرت ان کے شوہر کو ایک آنکھ نہیں بھائی۔حسد بغض کی آگ میں جلنے لگے اور سارہ پہ ظلم وستم کے پہاڑ توڑ ڈالے الغرض کہ عام روایتی گھرانے کے مرد کی مانند یہ شوہر ظالم شخص تھے۔بیوی پر ہر طرح کا مظالم روا رکھنا،بلاوجہ ان کی عادت ثانیہ بن گئے۔سارہ نہایت وفا شعار شوہر پرست مشرقی روایت کی امین مظلوم عورت تھیں۔نتیجہ یہ ہوا دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔

سارہ کی دوسری شادی ہوئی جو اس کی شاعری کے پرستار،حسن کے دیوانے۔اس کی محرومیوں اور مظلومیت پہ ترس کھانے والے سچے خیرخواہ تھے چندعرصے بعد یہ بھی سابق شوہر کی طرح ان کا قافیہ تنگ کرنے لگے۔پہلے شوہر کے ہاتھوں ستائی ہوئی پتی ورتا بیوی کے صبر کا باندھ ٹوٹ گیا۔اور سارہ نے ان سے قطع تعلق کرلیا۔یہاں یہ بتاتی چلوں کہ ان کی نثری نظموں کا مجموعہ آنکھیں منظرعام پہ آچکا تھا ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہونے لگی تھی،چوں کہ نثری نظم اردو ادب میں نئی صنف کی شکل میں متعارف ہوئی تھی نثری نظموں کی وکالت کرنے والوں میں ایک نام قمر جمیل صاحب کا بھی شامل ہے جنھوں نے نثری نظموں کی نہ صرف حمایت کی بلکہ لکھنے والوں کی آبیاری بھی کی اس صف میں سارہ شگفتہ بھی شامل ہوئیں۔ان کی ذہنی تربیت قمر جمیل صاحب نے کرتے رہے تو دوسری طرف معاون اور سرپرست کا کردار بھی ادا کیا بہرحال! دوسری بار طلاق ملنے کے بعد تیسری شادی افضل احمد سید سے بھی اپنی پسند سے کی،لیکن بدقسمت اور کٹ پتلی جیسی سارہ ایک بار پھر مرد کو سمجھنے میں ناکام رہیں اور اذیت وظلم وتشدد کا شکار ہوئیں الغرض کہ یہ شادی بھی راس نہیں آئی۔۔اور انھوں نے ٹرین کے سامنے جا کر اپنی جان دے دی۔کچھ لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے چوتھی شادی کی۔سارہ شگفتہ کی متنازع شخصیت کے حوالے سے آدھی حقیقت آدھا فسانہ نہیں بلکہ۔مجھے حقیقت کم فسانہ زیادہ معلوم ہوتی ہے۔سارہ کے چاہنے والے(مداح) بتاتے ہیں کہ یہ خودکشی نہیں تھی۔چوں کہ تیسری شادی کی ناکامی کے بعد یہ نشہ کی عادی ہوچکی تھیں وہ حالت نشہ میں تھیں۔اور انھیں ٹرین کے آنے ادراک نہ ہوسکا گردوپیش سے بےخبر بدمست چلی جارہی تھیں کہ ٹرین کی زد میں آگئیں۔

واللہ باالعالم۔اگر انھوں نے خودکشی نہیں کی تو پھر ادبی دوست سندھی شاعرہ عطیہ داؤدکو۔خودکشی سے قبل یہ نظم کیوں اور کیسے ارسال کردی۔؟

پیاری دوست تمہیں کیا دوں۔۔۔؟

دیکھو۔۔۔میرے اسباب میں نہ روح ہے نہ کوئی بدن

میں آج اذیت میں ہوں۔۔۔وہ اذیت جو کنواریوں کا لازم ہے

وہ اذیت جو کہ سانپ چال بن کر میرے بدن پر رہ جائے گی۔

۔۔وقت پہ رہ جائے گی۔۔۔

تمہارے دل میں ایک ٹھٹھری ہوئی اور گرد آلودہ سانس کی طرح۔۔۔

آؤ اپنی اپنی چتا کے گیت لکھیں اور آگ کو گانے دیں اپنی پوری خاموشی کے ساتھ میں کیا ہوگئی ہوں۔

آؤ اپنے اپنے انگاروں کے بجھنے تک تو جئیں

لیکن لگتا ہے۔زندگی ہمارے کھلونے کبھی نہ توڑ سکے گی

البتہ یہ کھلونے ہمیں ضرور توڑ چکے ہیں"

جس میں جان کی تیاگ کا واضح اظہار ملتا ہے۔

سارہ کے مداحوں کی مان لوں کہ چوں کہ خودکشی حرام ہے۔لہذا اس نے خودکشی نہیں کی انھیں معلوم ہونا چاہئے نشہ کرنا بھی حرام ہے۔لیکن شاعر کا ذکر

ہوتو شراب (نشہ) کا خیال ازخود آجاتا ہے۔ جیسے کہ شاعر اور شراب لازم و ملزوم ہوں۔ ہاں چند شعرا شاعرات ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے شراب، شباب سے اجتناب کرتے رہے ہیں یہ ہے سارہ شگفتہ کی شخصیت کی تصویر کا ایک رخ۔ دوسرا رخ میں آپ کو دکھانا چاہتی ہوں۔ آپ میری بات سے اتفاق کریں نہ کریں لیکن سچ کی تلاش ضرور کریں! قصے کہانیوں کو مزے لے لے کر پڑھنے سے بہتر کہ حقیقت کا ادراک کیا جائے! سارہ شگفتہ کے پہلے شوہر کا نام احمد جاوید تھا۔ سارہ شگفتہ اور احمد جاوید ایک سرکاری ادارے فیملی پلاننگ میں ملازم تھے۔ دونوں کی شناسائی ہوئی۔ یہ شناسائی دوستی میں تبدیل ہوئی اور پھر دونوں ازدواجی بندھن میں بندھ گئے۔ احمد جاوید اپنی شریک حیات جو محبوبہ سے بیوی بن چکی تھیں ان پہ سو جان سے فدا تھے ان کے یقین واعتبار کا یہ عالم تھا سارہ کے لیے کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ مکمل آزادی دے رکھی تھی جہاں جائیں جس سے ملیں۔ اپنے دوستوں کو بھی گھر میں بے باک آنے جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ انہی دوستوں میں ایک دوست تھے قیصر منور جو شاعر بھی تھے۔ جن سے سارہ شگفتہ کے تعلقات بڑھے اور اس حد تک بڑھے کہ آس پاس سے یہ خبر اڑ کر ادبی حلقوں میں گردش کرنے لگی۔ بحیثیت شوہر احمد جاوید سارہ کو قابو میں کرنا چاہا۔ (اس کوشش کو سارہ شگفتہ نے امرتا پریتم اپنے دیگر شناساؤں سے بیان کرتی رہیں کہ مجھ پہ ظلم و زیادتی کی جارہی ہے۔) لیکن بے باک اور آزاد خیال سارہ شگفتہ احمد جاوید کی گرفت میں نہ آسکیں۔ تبھی احمد جاوید نے شرعی لحاظ سے انھیں طلاق دے دی تینوں بچوں کو اپنے ساتھ رکھا ادب کی دنیا سے کنارہ کش ہوگئے۔ اس قدر دل گرفتہ ہوئے کہ یہ علاقہ چھوڑ دیا، بچوں کی تعلیم و پرورش کی ذمے داری خود سنبھالی۔ اپنے لب سی لیے۔ کسی سے کوئی وضاحت پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ وہ جانتے تھے۔ سارہ شگفتہ ہزار دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔ مطلب کہ خود ساختہ مظلوم۔ قصے کہانیوں میں جینے والا معاشرہ سچ جاننے اور برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا اپنا مقدمہ اللہ کے سپرد کرکے خاموش ہوگئے۔ یہاں یہ جاننا بھی قارئین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ سارہ شگفتہ کو شاعرہ بنانے میں ان کے شوہر ادب دوست احمد جاوید کا ہی کردار رہا ہے۔ جب سارہ نے پہلی دوسطر لکھی تھی احمد جاوید مسرت و انبساط کے عالم میں وہ تحریر لیے سارہ کے ہمراہ قمر جمیل کے پاس گئے تھے۔ اور سارہ کو ہر ممکن سہولت فراہم کیں۔ یہاں تک کہ ''آنکھیں'' کسی خاتون کا پہلا نثری مجموعہ چھپ کر آگیا اور سارہ شگفتہ نے شوہر کے ساتھ بے وفائی کی۔ شوہر کے دوست شاعر قیصر محمود سے شادی کرلی۔

سوشل انجینئرنگ اور سماجی سائنس کی بات رہنے دیں! پہلی ہی نظر میں ایک عام قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے۔ کوئی عورت اتنی معصوم یا نادان ہوتی ہے کیا؟ کہ متواتر شادیاں کرتی پھرے؟۔ اسے مرد کی نفسیات کا ذرا بھی علم نہیں تھا؟۔ شادی شدہ عورت کو جب مرد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کا منشا کیا ہوتا ہے؟ یہ بات پورا معاشرہ جانتا ہے، سارہ شگفتہ نہ جان سکیں؟ یہ حیرت کا مقام ہے؟ دوشوہر کے ظلم تشدد کی شکار غیرت مند عورت تیسری شادی سے قبل ہزار بار سوچتی ہے اور پھر شادی نہ کرنے کا حتمی فیصلہ کرتی ہے تاعمر اپنے فیصلے پر قائم رہتی ہے۔ واہ رے ان کی رازدار سہیلیاں، یہ سہیلیاں بھی انھیں مطلع نہ کرسکیں؟ انتہائی افسوس کی بات ہے۔ تیسرے شوہر بنے افضل احمد سید جو سابق دوشوہر سے بھی زیادہ ظالم نکلے۔ بقول سارہ شگفتہ اور انہی کی وجہ سیسارہ کی موت 29 سال کی کم عمری میں ہوئی۔ 4 جون 1984ء کو واقع ہوئی۔ جس کا مقدمہ اب سے چند سال قبل سارہ کے مداحوں نے کر رکھا ہے۔ سارہ کی زندگی پہ پہلے فلمیں/سیریل بنانا ڈرامے اسٹیج کرنا ناول لکھنا اہم تھا شاید۔ اس لیے موت پر مقدمہ موخر کیا گیا، اگر نورالہدیٰ، انور سین رائے وغیرہ شگفتہ کی زندگی کے چشم دید گواہ رہے ہیں۔ وہیں ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب بھی سارا شگفتہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ ذرا ان کی بھی سن لیں! تبھی سارا شگفتہ کی موت اور زندگی کے سربستہ راز کا انکشاف ہوسکے گا۔

(تصویر کا دوسرا رُخ ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب کے مضمون کی تلخیص ہے۔)

جس طرح ہر مرد ظالم نہیں ہوتا اسی طرح ہر عورت مظلوم نہیں ہوتی۔ خدارا ایک ڈنڈے سے پوری قوم یا جنس کو ہانکنے کی روش نہ اپنائی جائے! تھوڑی اپنی عقل کا استعمال کیا کریں! واقعات اور سانحات کو ہر زاویئے سے دیکھنے پرکھنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ کسی بھی معاملے میں ایک فریق کے اظہار و بیان پہ اپنے موقف کا اظہار ہرگز نہیں کرنا چاہئے! کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری وجہ سے دوسرے فریق یعنی کہ شریف النفس مرد عورت کی حق تلفی ہو، اور ہم کل اللہ کے حضور میں جانب دار قرار دیے جائیں! بہرکیف! سارہ شگفتہ کی دو نظمیں ملاحظہ فرمائیں! ان کے ذہنی رویے اور ادبی صلاحیت کا خود اندازہ کریں!

شیلی بیٹی

جبیں نازاں

تُجھے جب بھی کوئی دُکھ دے، اُس دُکھ کا نام بیٹی رکھنا
جب میرے سفید بال، تیرے گالوں پہ آن ہنسیں، رو لینا
میرے خواب کے دُکھ پہ سو لینا، جن کھیتوں کو ابھی اُگنا ہے
اُن کھیتوں میں، میں دیکھتی ہوں تیری انگیا بھی
بس پہلی بار ڈری بیٹی، مَیں کتنی بار ڈری بیٹی
ابھی پیڑوں میں چھپے تیرے کماں ہیں بیٹی
میرا جنم تُو ہے بیٹی، اور تیرا جنم تیری بیٹی
تُجھے نہلانے کی خواہش میں، میری پوریں خُون تھُوکتی ہیں
میرے بیٹے، ایک دن مجھ پہ میری آنکھیں ٹوٹ پڑیں
مجھے تیری خالی آنکھوں کی قسم، ایسا ہی سناٹا تھا، جب میرا باپ کھو گیا تھا
تیرے پاس کھلونے نہیں، میرے پاس تو ہیں، میں نے اپنا نام مٹا کر
تیرا نام رکھا تھا۔ میرا خالی کفن تیری ماں کی لاش رکھتا ہے، تجھے مٹی پر نیند
آ گئی، تو میں جاگ گئی بیٹا۔ جاگتی آنکھ کے پاس، نہ کوئی چاند ہوتا ہے نہ
کوئی سورج۔ میرے دکھ سکھ کی پڑوس میں رہنے لگے، میرے پستان
تمہیں آواز دیتے۔ آخر سفر قدم کی قید میں آئے، تیرے ایک آنسو
پہ، تیری ماں بازار ہو آئی۔
پنچھی مجھے خالی ہاتھ چھوڑ گئے، آخر بازار لگے، پہلی بولی تیری ماں کی
لگی۔ اور آخری بولی تک تیرا باپ سوتا رہا، اگر میں اپنے گناہ میں
مصروف ہوں۔ تو مت پکارنا بیٹا، کہ میں تیری ہر صدا پر جنم لیتی
ہوں۔ اگر میں نے جنم لے لیا ہے، تو بیٹا! مجھے شام کو دار پر
چڑھا دینا کہ تیرا جنم شب کے سائے میں ہوا تھا۔

چندا کے دیکھنے کی جو خواہش کرے کوئی
رکھتا ہو وصف اپنے میں وہ عزو جاہ کا

ماہ لقا بائی

تخلص چندا

ولادت: 07 اپریل 1768ء وفات: اگست 1824ء

ماہ لقا بائی چندا اردو زبان کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ تھی ماہ لقا بائی کا تخلص چندا تھا۔ ماہ لقا کا شمار حیدرآباد، دکن کے اردو زبان کے اولین شعرا میں کیا جاتا ہے اٹھارہویں صدی عیسوی میں ماہ لقا کی شاعری نے اردو زبان کی شاعری کے دبستان دکنی کو نیا فروغ دیا۔

1824ء میں ماہ لقا کے اُردو دیوان کی اشاعت کیبعد اُسے اردو زبان کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ کا مقام حاصل ہوا جنوبی ہند میں اردو زبان کیفروغ میں ماہ لقا کی شاعری سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نظام حیدرآباد کے دربار سے بھی وابستہ رہیں طویل عرصہ نواب رکن الدولہ کے زیر سایہ پرورش پاتی رہی اِس دوران ماہ لقا نے شاعری میں اپنے ذوق کو بڑھانا شروع کیا نوجوانی کے دور میں اُسے حیدرآباد، دکن کے تمام ادبی سرمائے شاہی کتب خانوں میں فراہم ہوتے رہے 14 سال کی عمر میں وہ گھڑسواری اور تیر اندازی میں مہارت حاصل کر چکی تھی اپنی مہارتوں کے سبب وہ نظام حیدرآباد علی خان آصف جاہ ثانی کے ہمراہ تین جنگوں میں شریک رہی جنگی لباس مردانہ طرز کا ہوتا اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدانِ جنگ کے لیے نکلا کرتی تھی جہاں تک چندا کی شاعری کا تعلق ہے اس کے قلمی دیوان کے تین نسخوں کا پتہ چلتا ہے ایک کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد کی زینت ہے دوسرا اورینٹل مینوا سکرپٹ لائبریری میں محفوظ ہے اور تیسرا نسخہ انڈیا آفس لائبریری (لندن) کا مخزونہ ہے چندآ کا دیوان پہلی بار 1908ء میں ''گلزار ماہ لقا'' کے نام سے نظام المطابع چھتہ بازار حیدرآباد سے شائع ہوا تھا دوسری بار اس دیوان کی اشاعت 1959ء میں ثمینہ شوکت کی کتاب ''مہ لقا'' میں عمل میں آئی تیسری بار پروفیسر شفقت رضوی نے چندآ کے دیوان کو 1990ء میں اپنے عالمانہ مقدمے کے ساتھ مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیا چوتھی بار 1998ء میں یہ دیوان راحت عزمی کی کتاب ''ماہ لقا'' میں شاملِ اشاعت ہوا، 1824ء میں ماہ لقا بائی کا انتقال ہوا۔ اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ماہ لقا بائی چندا کی 257 ویں یوم پیدائش 07 اپریل پر انکا منتخب کلام بطورِ خراجِ عقیدت پیش ہے۔

چندآ کے دیکھنے کی جو خواہش کرے کوئی
رکھتا ہو وصف اپنے میں وہ عزو جاہ کا
بجز حق کے نہیں غیر سے ہر گز توقع کچھ
مگر دنیا کے لوگوں میں مجھے ہے پیار سے مطلب
جو پوچھے ہجر کی حالت مری وہ بے وفا ہنس کر
تصدق ہوکے کہہ باآہِ سرد و چشم تر قاصد
سوجان سے ہوگی وہ تصدق مرے مولا
چندا کی جوکونین میں امداد کرو گے
مری نازک مزاجی کی خبر رکھتا نہیں ہرگز
وہ سنگیں دل نہیں ممکن کسی کا ہوکبھی عاشق
سرفرو ہرگز نہ ہوچندا کسی سے دہر میں
یہ جناب مرتضیٰ کی ہے کنیزی کا غرور
شاہ و گدا تو دنگ ہوے رقص پر ترے
عاشق ہے نیم جان، نئ لئے میں تان بھر
حسن کے شعلے سے تیرے جب کہ ٹپکے ہے
عرق شرم سے بس ابر کے دامن میں ہے تر آفتاب
عالم تری نگہ سے ہے سرشار دیکھنا
میری طرف بھی ٹک تو بھلا یار دیکھنا
خورشید رو قسم ہے یہ زلفوں کی تو نے کل
وعدہ کیا تھا دن کا مگر رات ہوگئی
ہماری چشم نے ایسا کمال پایا ہے
جدھر کو دیکھئے آتا ہے تو نظر ہم کو
گرمی وہ ہووے حسن میں چندا کے یا علی
جلوے کو دیکھ کے بس لوٹ جائے برق
گل کے ہونے کی توقع پہ جئے بیٹھی ہے
ہر کلی جان کو مٹھی میں لئے بیٹھی ہے
کبھی صیاد کا کھٹکا ہے کبھی خوفِ خزاں
بلبل اب جان ہتھیلی پہ لئے بیٹھی ہے
یاد آ گئی دل کو میرے آہ کسی کی

تکتا ہوں شب و روز جو میں راہ کسی کی
خواہش تجھے غیروں کی سدا رہتی ہے لیکن
ہم کو نہیں ہے تیرے سوا چاہ کسی کی
ظاہر میں یا کہ خواب میں صورت دکھا کہیں
تڑپے ہوں انتظار میں اے شوخ، آ کہیں
میں پوچھتا ہوں دن کی تو کہتا ہے رات کی
معلوم یوں ہوا کہ تیرا دل لگا کہیں
آیا نہیں ہے خواب میں بھی یار اب تلک
ہیں منتظر یہ دیدہ بیدار اب تلک
سج کے اس طرح سے نکلا وہ طرحدار کہ بس
جان و دل ہو ہی گیا دیکھ گرفتار کہ بس
کوہکن پر بھی کیا جور مگر شیریں نے
تو نے اس طرح کیا ہے مجھے بیزار کہ بس
رکھتے ہیں میرے اشک سے یہ دیدتر فیض
دامن میں لیا اپنے ہے دریا نے گہر فیض
پر نور عجب کیا ہے کرے مجھ کو کرم سے
رکھتی ہے دو عالم پہ تری ایک نظر فیض
اک جام پہ بخشے ہے یہاں رتبہ جسم کو
کس کی نگہ مست سے رکھتا ہے خمر فیض
محروم نہیں کوئی ترے خوان کرم سے
ہے حصر خدائی کا ہی تجھ پہ مگر فیض
چندآ رہے پرتو سے ترے یا علی روشن
خورشید کو ہے در سے ترے شام و سحر فیض
تم منہ لگا کے غیروں کو مغرور مت کرو
لگ چلنا ایسے دیسوں سے دستور مت کرو
ٹسوے بہا کے ہر گھڑی زاری نہیں ہے خوب
یہ راز عشق ہے اسے مشہور مت کرو
ہر چند دل دکھانا کسی کا برا ہے پر
رنجیدہ خاطروں کو تو رنجور مت کرو

اے ہمدمو جو مجھ سے ہے منظور اختلاط
جز ذکر یار تم کوئی مذکور مت کرو
روشن رکھو جہان میں مولا مثال مہر
چندہ کے منہ سے نور کو تم دور مت کرو
عالم تری نگہ سے ہے سرشار دیکھنا
میری طرف بھی ٹک تو بھلا یار دیکھنا
ناداں سے ایک عمر رہا مجھ کو ربط عشق
دانا سے اب پڑا ہے سروکار دیکھنا
گردش سے تیری چشم کے مدت سے ہوں خراب
تس پر کرے ہے مجھ سے یہ اقرار دیکھنا
ناصح عبث کرے ہے منع مجھ کو عشق سے
آجائے وہ نظر تو پھر انکار دیکھنا
ندآ کو تم سے چشم یہ ہے یا علی کہ ہو
خاک نجف کو سرم ابصار دیکھنا
دل ہو گیا ہے غم سے ترے داغ دار خوب
پھولا ہے کیا ہی جوش سے یہ لالہ زار خوب
کب تک رہوں حجاب میں محروم وصل سے
جی میں ہے کیجے پیار سے بوس و کنار خوب
ساقی لگا کے برف میں مے کی صراحی لا
آنکھوں میں چھا رہا ہے نشہ کا خمار خوب
آیا نہ ایک دن بھی تو وعدہ پہ رات کو
اچھا کیا سلوک تغافل شعار خوب
ایسی ہوا بندھی رہے چندآ کی یا علی
با صد بہار دیکھے جہاں کی بہار خوب
بجز حق کے نہیں غیر سے ہر گز توقع کچھ
مگر دنیا کے لوگوں میں مجھے ہے پیار سے مطلب
گل کے ہونے کی توقع پہ جئے بیٹھی ہے
ہر کلی جان کو مٹھی میں لئے بیٹھی ہے

SARMAD GLOBAL

CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK

TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM

WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM

CELL +44 (0) 7903 416966

SHARIF

JEWELLERS

Timeless Jewels, Priceless Memories

28 London Road, Morden. SM4 5BQ London

@sharifjewellers +44 7888 300 399

grillculturemorden@gmail.com

GRILL CULTURE

Grill Culture

EID MENU

PiPaSa

PRE-ORDER BEFORE 18TH APRIL 2023

(AVAILABLE FOR EID DAY AND THE FOLLOWING DAY)

MENU

PRICES ARE FOR ONE PORTION

EID SPECIAL

Haleem	£5.99
Mutton Korma	£6.50
Chicken Korma	£3.50
Mutton Pilao	£3.99
Chicken Pilao	£3.50
Chicken Roast	£1.50

PIZZA & DONER

	15"	24"
Doner Pizza	£8.99	£17.99
Chicken Tikka Pizza	£8.99	£17.99
Vegetarian Pizza	£7.99	£16.99
Chicken Doner (reg.)	£4.99	-
Beef Doner (reg.)	£5.99	-

BBQ GRILL

Chicken Leg Piece	£2.00
Seekh Kebab (2 pcs)	£3.99
Peri Peri (Half)	£4.99
Peri Peri (Full)	£9.99

SWEETS & SHAKES

Kheer	£2.50
Zarda	£2.50
Milkshakes (Mango/ Oreo/ Lotus)	£4.99

- BOOKING IS WITH 50% ADVANCE
- SPECIAL OFFERS: *15 PORTIONS AND ABOVE*
- FAMILY DEALS AVAILABLE
- COLLECTION ONLY
- DELIVERY (CHARGED)

63 St Helier Ave, Morden, SM4 6HY 07876504304/ 07886026149

TRANSLATIONS

ENGLISH - URDU

ATA TAHIR

DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE

Interpreting Urdu-English Law

07818210181

atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial

Contact: 07722 222 965

www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)